تذکرہ

خواتین اولیاء

شیریں زادہ خدوخیل

Marfat.com

تذکرہ خواتین اولیاء

تحقیق و ترتیب

شیریں زادہ خدوخیل

الفیصل
ناشران و تاجرانِ کتب
غزنی سٹریٹ اُردو بازار لاہور

Marfat.com

922.97 Shireen Zada Khad-o-Khail
Tazkarah Khawateen Aoulia / Shireen Zada Khad-o-Khail.- Lahore:Al-Faisal Nashran , 2009.
156p.

1. Sawaneh I. Title card

ISBN 969-503-743-7

جنوری 2009ء
محمد فیصل نے
آر۔آر پرنٹرز سے چھپوا کر شائع کی۔

قیمت: -/150 روپے

AL-FAISAL NASHRAN
Ghazni Street,Urdu Bazar,Lahore.Pakistan
Phone : 042-7230777 Fax : 09242-7231387
http : www.alfaisalpublishers.com
e.mail : alfaisal_pk@hotmail.com

Marfat.com

انتساب!

اپنی نانی اماں

بی بی زیتون

کے نام

جو بڑی صالحہ، عابدہ اور پارسا عورت تھی۔
جو اپنی گود میں مجھے ''اللہ ہو'' کی لوریاں دے کر سلایا کرتی تھیں۔

Marfat.com

Marfat.com

فہرست

☆ خواتین اور تصوف 7

1- حضرۃ معاذہ عدویہؒ 15

2- حضرۃ رابعہ بصریؒ 18

3- حضرۃ اُم بایزید بسطامیؒ 30

4- حضرۃ تحہ بنت حارثؒ 36

5- حضرۃ سیدہ نفیسہ بنت حسنؒ 41

6- حضرۃ بنت شاہ شجاعؒ 47

7- حضرۃ اُم الخیرؒ 54

8- حضرۃ اُم محمد سیدہ عائشہؒ 64

9- عاشق خدا خاتونؒ 66

10- حضرۃ تحفہؒ 69

11- حضرۃ قرسم خاتونؒ 78

12- حضرۃ بی بی فاطمہ سامؒ 85

13- حضرۃ بی بی فاطمہ بنت بہاؤالدین زکریاؒ 93

14- حضرۃ بی بی زلیخاؒ ام نظام الدین اولیاءؒ 99

15- حضرۃ بی بی راستی اُم رکن شاہ عالمؒ 109

16- بنات فرید گنج شکرؒ 115

Marfat.com

-17	حضرۃ بی بی راستی اُم سلطان باہوؒ	117
-18	تاریخ تصوف کے بکھرے اوراق(i)	126
-19	تاریخ تصوف کے بکھرے اوراق(ii)	134
-20	تاریخ تصوف کے بکھرے اوراق(iii)	143
-21	کتابیات	153

-☆-

Marfat.com

خواتین اور تصوف

تاریخ عالم پر ایک نظر ڈالنے سے واضح نظر آتا ہے کہ جملہ علوم وفنون میں جو حضرات کمال تک پہنچ گئے یا صاحبان کمال کہلائے یا جنہوں نے ان کو کمال تک پہنچایا۔ ان میں بیشتر مرد حضرات ہیں۔ طب، فلسفہ، سائنس، علم وادب، زراعت، معیشت، سیاست، جنگی امور، موسیقی، مصوری، نقاشی، سنگ تراشی، کھیل کود الغرض دیگر بے شمار علوم وفنون میں ہمیں مردوں کی واضح برتری نظر آتی ہے اور تصوف بھی اس زمرے میں شامل سمجھی جاتی ہے، جس میں صاحب مرتبت خواتین ہمیں بہت کم نظر آتی ہیں بلکہ عموماً صرف رابعہ بصریؒ کا نام لیا جاتا ہے اور حضرۃ رابعہؒ سے بھی اس سلسلہ میں ایک روایت بیان کی جاتی ہے کہ ایک دفعہ بصرہ کے کچھ لوگ آپؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انہوں نے پوچھا کہ "مردوں کو کیوں ایسے مرتبے حاصل ہیں جو کہ کبھی خواتین کے حصے میں نہیں آئے" تو آپؒ نے فرمایا کہ اس کی وجہ یہ نہیں کہ عورتیں ناقص العقل ہوتی ہیں اس لیے دو عورتوں کی گواہی ایک مرد کے برابر ہوتی ہے بلکہ اس سے قطع نظر اللہ تعالیٰ نے لوگوں کی تعلیم وتربیت واصلاح کے لیے جتنے انبیاء کرام مبعوث فرمائے ہیں وہ تمام کے تمام مرد تھے۔ نبوت کے اعزاز کے لیے اللہ تعالیٰ نے صرف مردوں کو منتخب فرمایا اور عورتوں کو محروم رکھا۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے سیادت وقیادت اور بھاری ذمہ داری کا یہ بوجھ ہمیشہ مردوں کے کندھوں پر رکھا ہے اور خواتین کو اس بوجھ اٹھانے سے مستثنیٰ قرار دیا ہے کیونکہ یہ بہت بڑی ذمہ داری ہے اور اس راہ میں لغزشیں بھی بڑی بھاری ہیں، تم لوگوں نے کبھی یہ سنا یا پڑھا کہ کسی عورت نے خدائی کا دعویٰ کیا ہے؟ یہ استکبار بھی صرف مردوں

ہی کے حصے میں آیا ہے کہ اس نے طاقت اور حکمرانی کے نشہ میں خدائی تک کا دعویٰ کرنے سے گریز نہیں کیا، مگر کبھی آپ لوگوں نے غور کیا ہے کہ جتنے بھی انبیاء کرامؑ، اولیاء صدیقین، شہداء اور دیگر جو بڑے لوگ گزرے ہیں وہ عورت ہی کے بطن سے پیدا ہوئے ہیں اور انہی کی گود میں انہوں نے تربیت اور پرورش پائی ہے۔ کیا عورت کے لیے یہ مرتبہ کچھ کم ہے؟ شاید اس تناظر میں علامہ اقبال نے فرمایا ہے:

مکالمات فلاطوں نہ لکھ سکی لیکن
اُسی کے شعلہ سے ٹوٹا شرار افلاطون

اولیاء کرام کے جتنے بھی مشہور تذکرے ہیں مثلاً ''تذکرہ اولیاء'' شیخ فرید الدین عطارؒ، ''نفحات الانس''، عبدالرحمٰن جامیؒ، ''اخبار الاخیار''، شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ، ''مراۃ الاولیاء'' حضرت شیخ محمد شعیب تو دڈھیریؒ اور دیگر کتب ملاحظہ فرمائیں۔ ان میں مولانا عبدالرحمٰن جامیؒ کے علاوہ بہت کم تذکرہ نگاروں نے خواتین اولیاء کا تذکرہ کیا ہے۔ مولانا عبدالرحمٰن جامیؒ نے اپنی تصنیف ''نفحات الانس'' میں خواتین اولیاء کے لیے ایک گوشہ مختص کیا ہے جس میں انہوں نے 34 خواتین اولیاء کا حال بیان کیا ہے مگر وہ بھی صرف چند ایک سطروں میں، تاہم ان کی اس کتاب سے معلوم ہوتا ہے کہ اس میدان میں بے شمار خواتین گزری ہیں جس کا احوال ''شیخ ابو عبدالرحمٰن سلمیؒ'' نے ایک علیحدہ تذکرے میں بیان کیا ہے۔

شیخ ابو عبدالرحمٰن سلمیؒ ایک مشہور صاحب کرامت ولی اللہ گزرے ہیں جس نے 412ھ میں وفات پائی۔ ان کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ آپؒ نے بے شمار تصنیفات رقم کی تھیں مگر مذکورہ بالا تذکرے کے بارے میں معلوم نہیں کہ اب وہ موجود ہے یا نہیں۔ زمانہ حال میں بھی بہت سی کتابیں منظر عام پر آئی ہیں لیکن ان میں بھی کوئی ایسی کتاب نظر نہیں آتی جس کو جامع طور پر تذکرہ خواتین اولیاء کہا جا سکے۔

ایمان و عمل میں مرد عورت برابر ہیں

مگر اس سے یہ نتیجہ ہرگز نہیں اخذ کرنا چاہیے کہ اسلامی تصوف میں خواتین کی شمولیت کو

Marfat.com

ناپسند کیا جاتا ہے یا اس کو وہ مقام و مرتبہ نہیں مل سکتا جو کہ ایک مرد کو ملتا ہے، بلکہ ہم دیکھتے ہیں کہ عبادت و ریاضت میں دونوں کا درجہ برابر ہے۔ سورۃ النساء میں ارشاد ہے:

''اللہ تعالیٰ نے تم سب کو ایک نفس سے پیدا کیا اور اس جنس سے اس کے جوڑے پیدا کیئے (آیت نمبر 1)۔

دوسری جگہ سورۃ النساءؔ ہی میں فرمایا گیا ہے:

''مرد جیسے عمل کریں ان کا پھل وہ پائیں گے اور عورتیں جیسے عمل کریں ان کا پھل وہ پائیں گی (آیت نمبر 32)۔

یعنی ایمان اور عمل صالح اور روحانی ترقی میں عبادت و ریاضت سے جو مرتبہ کسی مرد کو مل سکتا ہے وہی عورت کو بھی مل سکتا ہے اگر مرد اپنے نیک اعمال اور عبادت و ریاضت سے ابراہیم ادہمؒ بن سکتا ہے تو عورت کو بھی رابعہ بصری بننے سے کوئی شے روک نہیں سکتی۔ ارشاد خداوندی ہے کہ ''میں تم میں سے کسی عمل کرنے والے کے عمل کو ضائع نہیں کروں گا خواہ وہ مرد ہو یا عورت، تم سب ایک دوسرے کے جنس سے ہو''۔ جبکہ ابوداؤد میں ارشاد نبویؐ ہے کہ ''عورتیں تو مردوں کی ہم پلہ اور ہمسر ہیں''۔

اس لیے ہم دیکھتے ہیں کہ اسلامی تصوف میں بعض خواتین اپنی عمل صالح زہد و عبادت اور شب بیداریوں کے طفیل اپنے زمانے کے مردوں سے بھی آگے نکل گئیں اور بڑے بڑے علماء فضلا اور صوفیا کرام نے ان کی خدمت میں حاضری دینا اور ان سے فیض حاصل کرنا باعث سعادت سمجھا۔ بعض اسلامی ممالک خاص کر شام تو ان زاہد اور عابد خواتین اولیاء کی جائے پناہ اور مرکز تھا جبکہ بعض عراق اور اس کے گرد و نواح میں مقیم رہیں۔ جنہوں نے اپنے علم، بصیرت، زہد، عبادت، ریاضت اپنے نیک صالح کردار اور باطنی صفائی کے بل پر ''حب الٰہی'' کو ایک مستقل اور محکم مسلک کی صورت میں پیش کیا۔

ابدال خواتین

کشف المحجوب اور دوسری کتب تصوف میں اولیاء اللہ کی تعداد کے بارے میں لکھا گیا

ہے کہ دنیا میں ہمہ وقت چار ہزار اولیاء پوشیدہ ہیں یہ ایک دوسرے کو نہیں پہچانتے اور نہ اپنی حالت کے جمال سے آگاہ ہیں اور تین سو اولیاء جو بارگاہ الٰہی میں سر بسجود ہوتے ہیں ان کو اخیار کہا جاتا ہے۔ پھر چالیس ابدال ہیں جن کے اوپر سات ابرار ہوتے ہیں۔ اس کے بعد چار اوتاد ہوتے ہیں۔ اس کے بعد تین نقبا اور امام ہیں اور ان سب کے اوپر قطب اور غوث کا مقام ہوتا ہے۔ ان میں جب کسی ایک کا انتقال ہوتا تو دوسرے کو ان کا مقام تفویض کیا جاتا ہے۔ لیکن ان مراتب پر صرف مرد فائز نہیں ہوتے بلکہ بعض اوقات اس میں خواتین بھی شامل ہوتی ہیں۔ خاص کر چالیس ابدال جو بیک وقت ہوتے ہیں وہ تمام مرد نہیں ہوتے کبھی کبھار ان میں خواتین بھی شامل ہوتی ہیں لیکن اس کے باوجود خواتین اولیاء کا تذکروں میں حال بہت کم بیان ہوا ہے جس کے چند اسباب ہیں۔

بیعت سے استثنا

تصوف میں بیعت کو بنیادی اہمیت حاصل ہے اس میں ایک طالب مرید کسی مرد کامل کا ہاتھ پکڑتا ہے اور وہ اس کو راہ سلوک کے مختلف منازل طے کراتا ہے اور جہاں کوئی وسوسہ یا شبہ آ جائے تو وہ مرد کامل اپنے زہد، ریاضت اور مجاہدے کے سبب نہ صرف اس سے آگاہ ہوتا ہے بلکہ اس کو رفع بھی کرتا ہے اس لیے کوچہ تصوف میں قدم رکھنے کے بعد ضرور کسی مرد کامل کا ہاتھ تھامنا چاہیے۔ بغیر بیعت کے اس راہ پر آگے بڑھنا خود کو گمراہی اور تباہی کے گڑھے میں گرا دینے کے مترادف ہے۔ تصوف میں اگرچہ خواتین بیعت کر سکتی ہیں مگر وہ بیعت لینے کی مجاز نہیں، کسی کو اپنا مرید نہیں بنا سکتی چاہے وہ مرد ہو یا عورت بلکہ وہ اس کا اپنا فرزند ہی کیوں نہ ہو۔ ہم دیکھتے ہیں کہ اُم سلطان باہوؒ بی بی راستیؒ جو بڑی ولیہ تھیں، جب سلطان باہو نے ان کے ہاتھ پر بیعت کرنا چاہا تو انہوں نے معذرت کرتے ہوئے کہا کہ بیٹے! ہمیں اس کی اجازت نہیں۔ آپ میرے ہاتھ پر بیعت نہیں کر سکتے۔ حضرۃ رابعہ بصریؒ نے بھی کسی سے بیعت نہیں لی تھی۔ دیگر خواتین اولیاء بھی اسی پر کاربند ہیں کیونکہ ان کے پیش نظر ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کی ہستی بطور نمونہ موجود ہے۔ جنہوں نے کسی سے بیعت نہیں لی تھی۔ چونکہ خواتین اولیاء

Marfat.com

بیعت لینے سے مستثنیٰ ہیں، اس لیے تذکروں میں ان کا بہت کم ذکر ہوا ہے۔

سجادہ نشینی

جس طرح خواتین بیعت لینے کی مجاز نہیں اس طرح خواتین اولیاء کو مسند ولایت سنبھالنے کی بھی اجازت نہیں کیونکہ یہ منصب امامت ہے۔ ایک مرتبہ ملتان کے حکمرانوں نے حضرت بہاؤالدین زکریاؒ ملتانی کی مسند سجادگی پر ایک عورت کو جبراً مقرر و مسلط کر دیا جبکہ حق دار حاجی شیخ احمد تھے جو مرد صالح اور ہر لحاظ سے سجادگی کے مستحق بھی تھے، مگر ان کو حکومت خراسان نے جبراً برطرف کر کے ان کی جگہ ایک عورت کو متمکن کر دیا۔ جس پر حضرت بہاؤالدین زکریاؒ کئی بزرگوں کو خواب میں نظر آئے اور انہوں نے مزار مبارک سے باہر آ کر حکم دیا کہ ان کتوں کو مار مار کر باہر نکالو جنہوں نے میرے مزار پر عورتوں کو بٹھایا ہے۔ کتوں سے مراد حضرت بہاؤالدین زکریاؒ کا اشارہ خراسانی حکمرانوں کی طرف تھا۔ چنانچہ اس عورت کو اس تنبیہ کے ساتھ مسند سجادگی سے ہٹا لیا گیا۔

بیعت اور مسند سجادہ نشینی سے خواتین کی استثنیٰ دراصل اس وجہ سے ہے کہ اسلام نے عورت کو گھر سے باہر بیرونی امور سے سبکدوش کیا ہوا ہے۔ کیونکہ عورت کا اصل دائرۂ کار گھر کی چاردیواری کے اندر ہے۔ بخاری شریف میں روایت ہے۔۔۔ عورت اپنے شوہر کے گھر کی حکمراں ہے اور وہ اپنی حکومت کے دائرہ عمل میں اپنے عمل کے لیے جواب دہ ہے۔ اس لیے اسلام نے نہ صرف امارت بلکہ نماز جمعہ، جہاد، نماز جنازہ اور دیگر بعض امور میں بھی انہیں چھوٹ دی ہے۔ دیگر غیر افراد کی تربیت کے نسبت اسے اپنے شوہر اور اپنے بچوں کی تعلیم و تربیت اور نگہداشت پر توجہ مرکوز کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ سورۃ تحریم میں ارشاد ہے۔

"تم اپنے آپ کو اور اپنے اہل و عیال کو آگ سے بچاؤ"

(آیت نمبر 1)

بیعت و مسند سنبھالنے کی ذمہ داریوں سے مستثنیٰ قرار دیئے جانے کے سبب ان خواتین اولیاء کو یہ مواقع نصیب ہوئے کہ انہوں نے اپنے بچوں پر پوری یکسوئی سے توجہ مرکوز کی تو وہ

Marfat.com

شخصیات منظر عام پر آئیں جو آج بھی منارہ نور ہیں۔ اُم الخیر والدہ شیخ عبدالقادر جیلانیؒ نے جس انداز سے اپنے لختِ جگر کی تعلیم و تربیت کی۔ حضرت مخہؒ نے اپنے بھائی بشیر حافیؒ کی جس طرح نگہداشت کی۔ حضرۃ بی بی زلیخاؒ اُم نظام الدین اولیاءؒ نے جس طرح اپنے بیٹے کو پالا یا حضرۃ بی بی راستیؒ نے سلطان باہو کی تربیت کی، وہ محتاج بیان نہیں، یہ الگ بات ہے کہ ابھی تک کسی نے اس موضوع پر توجہ نہیں دی ہے۔ دراصل خواتین اولیاء کو عام بیعت وسجادہ نشینی سے کنارہ کش کر کے ان کو ہیروں کے تراشنے پر مامور کیا گیا ہے جس کو وہ بطریق احسن نبھاتے ہیں اور یہ بلا مبالغہ کہا جا سکتا ہے کہ ان اولیاء کرامؒ ان کے جملہ مریدین اور سلسلوں کی کامیابی کا سہرہ ان ماؤں کے سر باندھتا ہوا نظر آتا ہے۔ جن کے آغوشوں کے یہ پروردہ ہیں۔

اخفا اور پردہ نشینی

خواتین اولیاءؒ کے ذکر کی کمی کا ایک سبب اولیاء کرامؒ کا پردہ اور اخفا بھی ہے۔ کیونکہ جملہ اولیاءؒ عموماً خود کو مخفی رکھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ کیونکہ ان کا منتہائے نظر صرف اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی ہوتی ہے۔ وہ ریا اور شہرت کے طالب و حریص نہیں ہوتے نہ وہ دنیاوی مفادات کے اسیر ہوتے ہیں۔ اس لیے اولیاء کرام شہرت سے بچنے کی ممکنہ حد تک کوشش کرتے ہیں کہ کہیں ان کا دامن ریا کاری سے آلودہ نہ ہو جائے کیونکہ مسلم شریف کی ایک حدیث میں ریا کار عالم، شہید اور سخی کا ٹھکانہ جہنم بتایا گیا ہے۔ آج بھی بے شمار اولیاء کرام موجود ہیں مگر وہ مخفی ہیں اور خود کو آشکارہ نہیں کرتے۔ پھر خواتین کے لیے تو عبادت کے سلسلے میں خصوصی طور پر ارشاد فرمایا گیا ہے کہ ''عورت کا اپنے خاص کمرے میں نماز پڑھنا اس سے بہتر ہے کہ وہ عام کمرے میں نماز پڑھے اور اس کا اپنے گوشہ میں نماز پڑھنا اس سے بہتر ہے کہ وہ اپنے خاص کمرے میں نماز پڑھے''۔ صحیح بخاری کے علاوہ ابوداؤد، مسند احمد اور طبرانی میں بھی خواتین کا خلوت میں نماز پڑھنے کو احسن قرار دیا گیا ہے۔

اسلام پردے پر زور دیتا ہے اور عورت کا خلوت میں عبادت احسن گردانا جاتا ہے چونکہ اولیاء کرام ''حب الٰہی'' کو اپنا اصل منشا اور مقصد قرار دیتے ہیں اور اپنی ہستی اس میں فنا کر دینا

Marfat.com

معراج سمجھتے ہیں اس لیے وہ اپنی ہستیوں کو مٹا دیتے ہیں۔ یہاں تک کہ مرنے کے بعد اپنے مزار پر لوح لگانا بھی اپنی چھاتی پر ایک بھاری پتھر سمجھتے ہیں۔ جس کی میر درد نے کیا خوب ترجمانی کی ہے:

اہل فنا کو نام سے ہستی کے ننگ ہے
لوح مزار بھی مری چھاتی پہ سنگ ہے

اس لیے خواتین اولیاء کے تذکروں کا عام نہ ہونا پردے کے علاوہ عبادت وریاضت میں اخفاو پوشیدگی بھی ہے کیونکہ ان کا مقصد نمود ونمائش اور ریا نہیں بلکہ مقصود رضائے الٰہی ہوتا ہے۔ اب ہم آخر میں نکاح کی موضوع کی طرف آتے ہیں۔

نکاح

اسلامی تصوف مجرد رہنا کمال ہے اور نہ ضروری ہے بلکہ بڑے بڑے اولیاء کرام نے سنت نبوی سمجھ کر شادیاں کی ہیں لیکن ان کا نکاح اتباع سنت رسولؐ اور ایک پاک دامنی کے لیے ہوتا ہے نہ کہ شہوات رانی کے لیے ہوتا ہے۔ رسول اکرمؐ کا ارشاد گرامی ہے کہ ”دنیا کی نعمتوں میں بہترین نعمت نیک بیوی ہے“ (نسائی) ابن ماجہ میں روایت ہے کہ دنیا کی بہترین نعمتوں میں کوئی چیز نیک بیوی سے بہتر نہیں، اس لیے آج تک جتنے بھی اولیاء کبار گزرے ہیں چاہے وہ مرد ہوں یا عورت، انہوں نے نکاح کئے ہیں۔ حضرۃ رابعہ بصریؒ کے بارے میں مشہور ہے کہ انہوں نے شادی نہیں کی تھی مگر ایک روایت یہ بھی ہے کہ انہوں نے شادی کی تھی۔ تاہم قابل غور نکتہ یہ ہے کہ جتنی بھی خواتین اولیاء کرامؒ گزری ہیں اور انہوں نے شادیاں کی تھیں ان سب کو تقریباً شادی کے چند سال بعد بیوگی کا سامنا کرنا پڑا مگر پھر انہوں نے نکاح ثانی سے گریز کیا۔

نکاح ثانی سے گریز

نکاح ثانی سے گریز کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ نکاح ایک سنت نبویؐ تھا جو ادا ہو گیا مگر ایک اور سبب بھی ہے۔ چونکہ احادیث میں بہترین بیوی کو دنیا کی بہترین نعمت قرار دیا گیا ہے اور یہ

Marfat.com

خواتین اولیاء لامحالہ بہترین ازواج تھیں۔ اس لیے شوہر کی وفات کے بعد نہ صرف ان کی نام پر بیٹھی رہیں بلکہ اپنے یتیم بچوں کی پرورش اور نگہداشت اتنی عمدگی سے کی جس کی مثال نہیں ملتی۔ ان ہی ازواج کے لیے ارشاد فرمایا گیا ہے کہ دیندار بیوہ کا رتبہ آسمانوں میں شہدا کے برابر ہوتا ہے۔ (دیلمی) یہی وہ نیک خصلت خواتین ہیں جن کا فائدہ حدیث نبوی ﷺ کی روشنی میں خیر پائیدار اور ہمیشہ رہنے والا ہوتا ہے، یہی وہ مائیں ہیں جن کے قدموں تلے جنت ہوتی ہے۔ جنہوں نے اپنی بیوگی غربت تنگدستی مجبوری اور بے چارگی کے باوجود ان ہستیوں کی پرورش کی جس کی نظیر پیش کرنا ممکن نہیں۔ اس لئے ہم دیکھتے ہیں کہ جتنے بھی بڑے اولیا کرام گزرے ہیں انہوں نے ہمیشہ اپنی ماؤں کا ذکر خیر انتہائی عزت واحترام سے کیا ہے۔ شیخ عبدالقادر جیلانیؒ، شیخ فریدالدین مسعود گنج شکرؒ، شیخ نظام الدین اولیاءؒ، حضرت سلطان باہوؒ کے ملفوظات اٹھایئے، جہاں بھی ماں کا ذکر آتا ہے ان کا احترام اور محبت قابل دید ہوتا ہے۔ اولیاء کرامؒ کا اپنی ماؤں کے بارے میں انتہائی محبت ادب عقیدت دیکھ کر بعد میں اکثر تذکرہ نگاروں نے ان خواتین والیاء کرام کے بارے میں بہت غلو سے کام لیا۔ خاص کر آٹھویں صدی ہجری تک تو بعض خواتین اولیاء کرام کے بارے میں اہل مصر، شام اور بغداد نے وہ باتیں منسوب کیں جو کہ کفر اور شرک تک پہنچا دیتی ہیں۔ مگر ان بعض روایات سے قطع نظر ان خواتین اولیاء کا کردار وہ مثالی نمونہ ہے جس پر اگر آج کی ماں چلیں تو بعید نہیں کہ امت مسلمہ کو پھر وہ فرزند مل جائیں جن کی ایک مدت سے اس امت مرحومہ کو تلاش ہے۔

شیریں زادہ خدوخیل

ماہر مضمون اردو

گاؤں وڈاکخانہ غورغشتو (بونیر)

براستہ صوابی، صوبہ سرحد

16 فروری 2007ء

-☆-

Marfat.com

حضرۃ معاذہ عدویہؒ

اسلامی تصوف میں سب سے پہلے جس خاتون زاہدہ و عارفہ کا اسم گرامی آتا ہے وہ حضرۃ معاذہ عدویہؒ ہیں۔ آپؒ کے بارے میں جامیؒ نے لکھا ہے کہ آپؒ نے چالیس سال تک آسمان کی طرف منہ اٹھا کر نہیں دیکھا۔ آپ عموماً روزے رکھا کرتی تھیں۔ اس لیے آپؒ کے بارے میں مشہور ہے کہ آپؒ نے کبھی دن کو کچھ نہیں کھایا پیا جبکہ رات کو کبھی آپؒ کی پلکیں جھپکی نہیں کیونکہ آپؒ انتہائی شب گزار عابدہ تھیں۔ آپؒ کی ریاضت اور مجاہدے کو دیکھ کر کسی نے آپؒ سے کہا کہ تم اپنی نفس کو بڑا نقصان پہنچاتی ہو۔ تو جواب میں فرمایا ''میں نے اپنی نفس کو کبھی جبر کا نشانہ نہیں بنایا بلکہ رات کی نیند کو دن پر ڈالتی ہوں جبکہ دن کا کھانا رات کو کھاتی ہوں''۔

آپؒ کے بارے میں روایت ہے کہ جب دن آتا تو فرماتی آج مر جاؤں گی اس لیے مرنے سے پہلے سونے کی ضرورت نہیں تو پھر دن عبادت میں گزارتی اور جب شب ہوتی تو کہتی کیا پتہ؟ رات کو کس وقت موت کا بلاوا آ جائے، اس لیے رات بھی جاگ کر عبادت میں گزارتی۔ موسم سرما میں گرم کپڑے اس لیے نہیں پہنتی تھیں کہ اس سے وجود گرم ہو جاتا ہے اور نیند غلبہ حاصل کر لیتی ہے جبکہ باریک کپڑوں میں ٹھنڈک کی وجہ سے نیند نہیں آتی۔ جب نیند کا غلبہ ہوتا تو گھر کے اندر ایک چکر لگا کر کہتی، اے میرے نفس! نیند تیرے آگے ہے، اگر کوشش کر کے چاہو تو اس سے احتراز کر لے پھر قبر میں لمبی نیند کر لینا۔ اس شب بیداری کے دوران وہ چھ سو رکعتیں پڑھتی تھیں اور لوگوں کو خواب خرگوش کے مزے میں دیکھ کر متعجب ہو کر کہتیں: تعجب ہے ان آنکھوں کو، کہ ان کو نیند کیسے آتی ہے جبکہ آگے ایک لمبا دشوار سفر درپیش ہے۔

Marfat.com

اس قدر عبادت وتقویٰ کے باوجود آپؒ نے نکاح سنت نبویؐ سے بے رغبتی نہیں کی بلکہ جب آپؒ کے عم زاد مشہور تابعی بزرگ حضرت صلہ بن اشیمؒ نے آپؒ کو شادی کا پیغام دیا تو آپؒ نے اسے سنت نبوی سمجھ کر قبول کر لیا۔

نکاح کے بعد شب زفاف میں جب میاں بیوی اکٹھے ہوئے تو حضرت صلہؒ دو مسنون رکعتیں ادا کرنے کے لیے کھڑے ہو گئے، آپؒ بھی اپنے دلہا کی اقتداء میں ان کے پیچھے کھڑی ہو گئیں۔ دلہا دلہن نوافل میں اس قدر مستغرق ہوئے کہ رات بیت گئی اور فجر کی اذان کی آواز آئی اور یوں شب زفاف عبادت میں بیت گئی۔

آپؒ نے اُم اسودہ بنت زید عدویہؒ کو دودھ پلایا اور جب وہ ذرا جوان ہوئی تو اسے نصیحت کی:

''میری بچی! میرے دودھ کی لاج نبھانا، اسے حرام سے آلودہ نہ کرنا، میں نے محنت مشقت سے تمہیں دودھ پلایا ہے۔ لقمہ حرام سے بچ کر رہنا۔ خدا کی نافرمانی نہ کرنا۔ ہر وقت اس کے فیصلوں پر راضی اور خوش رہنا''۔

اُم اسودہؒ فرماتی ہیں کہ میں نے ہمیشہ ان کے دودھ کی لاج رکھنے کی ممکنہ حد تک کوشش کی ہے مگر خود اس شیر خوارگی کی اس دودھ کی اتنی برکت تھی کہ اگر میں نے کبھی بھولے سے شبہ والی بھی کوئی چیز کھائی تو اسی وقت میرے پیٹ میں شدید درد اٹھتا ہے اور مجھے الٹیاں لگ جاتیں ہیں یہاں تک کہ معدہ صاف ہو جاتا ہے۔

آپؒ کے شوہر بھی آپ کی طرح عابد و زاہد اور شب بسری میں ثانی نہیں رکھتے تھے۔ اس کے ساتھ وہ تلوار کے دھنی بھی تھے۔ معرکہ جہاد میں کبھی کسی سے پیچھے نہ رہے اور جو بھی زخم یا زحمت پیش آتی اسے خندہ پیشانی سے برداشت کیا کرتے تھے اور یہی حال آپؒ کا بھی تھا کہ راہ خدا میں پیش آنے والی تمام سختیوں اور امتحانوں کو خدا کی طرف سے آزمائش سمجھ کر صبر اور زعم سے اُسے برداشت کرتے ہیں۔

Marfat.com

76ہجری میں آپؒ کا شوہر نامدار اپنے جواں بیٹے کے ہمراہ ماورائے نہر کے علاقوں کی طرف جانے والے لشکر میں جہاد کی نیت سے شامل ہوئے۔ باپ بیٹے دونوں نے میدان جہاد میں انتہائی پامردی سے لڑتے ہوئے اپنی جانوں کا نذرانہ بارگاہ خداوندی میں پیش کیا۔ شوہر اور بیٹے کی شہادت کی خبر جب بصرہ پہنچی تو عزیز واقارب غمخواری اور تعزیت کے لیے آئے۔ تو آپؒ نے ان سے فرمایا، اگر تم لوگ مجھے شوہر اور بیٹے کی شہادت پر مبارکباد دینے آئے ہو تو خوش آمدید اور اگر کسی اور مقصد کے لیے آئے ہو تو پھر واپس چلے جاؤ، اللہ تم سب کو جزائے خیر دے۔

جب آپؒ کا وقت وصال آیا تو پہلے روئی اور پھر مسکرائی، کسی نے وجہ پوچھی تو فرمایا، میرا رونا روزے اور نماز سے جدائی کی وجہ سے تھا جبکہ میں مسکرائی اس وجہ سے کہ ابھی میں نے اپنے شوہر کو دیکھا کہ ایک بے حد خوبصورت سبز دوشالہ ان کے کندھوں پر پڑا ہے، ایک خوبصورت باغ میں چہل قدمی کر رہا ہے۔ خدا کی قسم، اتنا خوبصورت منظر میں نے کبھی نہیں دیکھا۔ اب یہاں رہنا دشوار ہے۔ اس کے ساتھ ہی آپؒ کی روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی۔

آپؒ حضرۃ عائشہؓ کی زیارت سے مشرف ہوئی تھیں۔ اور ان سے احادیث بھی روایت کیا کرتی تھیں۔ شوہر کی شہادت کے بعد آپؒ نے عہد کیا تھا کہ اب مرتے دم تک بستر اور تکیہ کا استعمال نہیں کروں گی اور مرتے دم تک اس قول کو نبھایا۔

-☆-

Marfat.com

حضرۃ رابعہ بصریؒ

خواتین اولیاء میں جو مقام و مرتبہ حضرۃ رابعہ بصریؒ کو حاصل ہے۔اس مقام تک نہ کوئی پہنچی ہے اور نہ آئندہ امید کی جاسکتی ہے کہ کوئی اس مقام تک پہنچ جائیں۔آپؒ نے نہ صرف خواتین کے لیے تصوف میں ایک راہ متعین کی بلکہ اپنے عصر کے اکثر صوفیائے کرام بھی آپؒ سے راہ سلوک کے مختلف منازل طے کرنے میں مستفید ہوتے رہے اور آج بھی آپ کی حیات و تعلیمات لوگوں کے لیے مشعل راہ ہیں اور ظلمت کے اندھیروں میں بھٹکنے والوں کے لیے آپؒ کی شخصیت منارہ نور کی حیثیت رکھتی ہے کیونکہ آپؒ عشق خداوندی میں ضرب المثل کی حیثیت رکھتی ہیں۔

آپؒ نے پہلی صدی ہجری کی آخری دہائی میں ایک نہایت غریب نادار اور مفلس گھرانے میں جنم لیا۔آپؒ کی تاریخ ولادت عموماً 97 ہجری بیان کی جاتی ہے۔آپؒ کے والد شیخ اسمٰعیل خود بھی ایک عابد و زاہد شخص تھے۔غربت و ناداری کے باوجود وہ نہایت غیور اور خود دار انسان تھے اور کسی کے آگے ہاتھ نہیں پھیلاتے تھے۔رابعہ بصریؒ کی ولادت سے قبل آپؒ کی اور تین صاحبزادیاں تھیں۔رابعہ چوتھی بیٹی تھیں اس لیے رابعہ کہلائیں۔آپ کی بے سروسامانی کا یہ عالم تھا کہ جس رات حضرۃ رابعہ بصریؒ کی ولادت ہوئی اس رات گھر میں چراغ روشن کرنے کے لیے تیل تک نہ تھا نہ گھر میں بچی لپیٹنے کے لیے کپڑے کی کوئی دھجی دستیاب تھی۔ بیوی کے اصرار پر آپ رات کی تاریکی میں گھر سے نکلے اور پڑوسی کے دروازے پر دستک دی مگر چونکہ رات بہت گزر چکی تھی، پڑوسی گہری نیند سویا ہوا تھا۔اس لیے اس نے آواز نہ دی اور

Marfat.com

آپ کو خالی ہاتھ گھر واپس لوٹنا پڑا لیکن آپ مایوس نہیں ہوئے آپ اسی وقت سجدے میں گر گئے اور در خداوندی پر دعا کی دستک دی تو اس رات خواب میں دیدار نبویؐ سے مشرف ہوئے۔

رسول اکرمؐ نے آپؒ کو مبارک بچی کی ولادت کی خوشخبری دی اور فرمایا: یہ اپنے وقت کی بہت بڑی عارفہ ہوگی۔ اس کی دعاؤں کے صدقہ بہت سے لوگ بخش دیئے جائیں گے، بے شمار گمراہ سیدھی راہ اپنالیں گے، رہتی دنیا تک اس کا نام چراغ کی طرح روشن رہے گا۔ پھر ڈھارس باندھتے ہوئے کہا تجھے اپنی تنگدستی اور تہہ دامنی کا شکوہ نہیں کرنا چاہئے۔ تم صبح سویرے حاکم بصرہ عیسیٰ زروان کے پاس جاکر میرا یہ پیغام پہنچا دینا کہ تو مجھ پر ہر شب سو بار اور جمعہ کے شب چار سو مرتبہ درود بھیجتا ہے مگر گزشتہ جمعہ کی شب آپ نے میری درگاہ میں درود کا تحفہ نہیں بھیجا۔ اس لیے تجھے چاہیے کہ میرے قاصد کو کفارے کے طور پر چار سو دینار ادا کرے۔

شیخ اسمٰعیل صبح سویرے فجر کی نماز کے بعد گورنر بصرہ کے محل پر پہنچا اور اپنا پورا خواب ایک رقعہ پر لکھ کر محل کے اندر بھیج دیا۔ رقعہ پڑھ کر حاکم بصرہ عیسیٰ زروان ننگے پاؤں دوڑتا ہوا باہر آیا اور قاصد رسول اکرمؐ کے ہاتھوں کے بوسے لینے لگا کہ آپ کے طفیل رسول اکرمؐ نے اس گنہگار کو یاد فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو جزا دے۔ اس وقت چار سو دینار کفارے کے آپ کی خدمت میں پیش کر دیئے۔ جبکہ دس ہزار دینار دوسرے فقراء میں اس خوشی میں بانٹ دیئے اور آپ کو تاکید کی کہ جب بھی کوئی ضرورت ہو تو بغیر کسی ہچکچاہٹ کے محل میں آیا کرو مجھے مہربان پاؤ گے۔ اور یوں رابعہ بصریؒ نے اپنی آمد کے ساتھ ہی اپنے والد کو پریشانیوں سے نجات دلا دی۔

حضرۃ رابعہؒ ابھی بہت کم سن تھی کہ دیگر اولیاء کے برعکس آپ کو ماں باپ دونوں کے سایوں سے محروم ہونا پڑا۔ نہ باپ کا شفقت نصیب ہوا نہ ماں کی ممتا ملی۔ شاید یہ ان دونوں سے محرومی کا صلہ تھا کہ آپؒ کو اتنا بلند رتبہ ملا۔ والدین کی رحلت کے بعد اب چاروں بے سہارا بہنوں کو زمانے کے بے رحم تھپیڑوں کا سامنا کرنا پڑا اور پھر بہت جلد اس زمانے میں ایک شدید قحط نے آپ چاروں بہنوں کو اپنی فاقہ مست بے رحم پنجوں میں جکڑ لیا۔

اس مشہور قحط کے بارے میں بتایا جاتا ہے کہ یہ 105ھ میں آیا تھا۔ جس نے تاریخی شہر

Marfat.com

بصرہ کو ویران کر کے رکھ دیا تھا، بڑی تعداد میں لوگ شہر سے نقل مکانی کر گئے اور شہر میں دن کو بھی اُلو بولنے لگا۔ عوام کی اکثریت کھانے پینے کی اشیاء کی نایابی کے باعث لقمہ اجل بنے۔ چارے اور پانی کی عدم موجودگی کے سبب انسانوں کے علاوہ بے شمار مویشی اور حیوانات بھی ہلاک ہوئے۔ مخلوق خدا ایک ایک دانے اور بوند بوند پانی کے لیے ترسنے لگی، اس پر مستزاد پیار، محبت، اخوت اور قربانی کا جذبہ بھی قحط کے زیر اثر عنقا ہو گیا۔ یہاں تک کہ والدین کے لیے اپنے بچے، بھائیوں کے لیے بہنیں اور شوہروں کے لیے اپنی بیویاں تک وبال بن گئیں۔ ہر طرف نفسا نفسی کا عالم تھا۔ اس عالم میں رابعہؒ کی بڑی تین بہنوں نے اپنی اس چھوٹی بہن کو ایک تاجر عتیق کو چند درہم کے عوض بیچ دیا مگر بعض روایتوں میں یہ بھی لکھا ہے کہ بھوک اور فاقوں سے تنگ آ کر چاروں بہنوں نے بصرہ سے ہجرت کے ارادے سے نکلنے کا فیصلہ کیا راستے میں اچانک ایک قوی ہیکل شخص نے رابعہ کو اٹھایا جبکہ بقیہ تینوں بہنیں سراسیمہ ہو کر بھاگ نکلیں جس کے بعد ان کا پتہ نہیں چلا۔ اس بردہ فروش نے آٹھ سالہ رابعہ کو ایک تاجر عتیق کے ہاتھوں فروخت کر دیا جہاں آپؒ نے پانچ چھ سال کنیز بن کر گزار دیئے۔

عتیق کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ انتہائی شقی القلب انسان تھا۔ اپنے خادموں سے جانوروں کی طرح کام لیتا تھا۔ وہ آپؒ سے بھی دن رات سخت کام لیا کرتا تھا۔ آپؒ اگرچہ نوعمری سے صوم وصلوٰۃ کی پابند تھیں مگر اس نے نہ کبھی آپ کی نماز کا خیال رکھا کہ قضا نہ ہو جائے، نہ آپؒ کے روزے کا کوئی احترام کیا۔ آپؒ دن بھر مشقت کرتیں اور رات کو جب ذرا فرصت ملتی تو اللہ کے آگے سجدہ ریز ہوتی تھیں۔ ایک رات عتیق کی آنکھ کھلی تو اس نے رقت بھری آواز سنی تو انہیں کچھ اچنبھا سا ہوا۔ انہوں نے آس پاس کا جائزہ لیا تو آواز کنیز کی کوٹھی سے آ رہی تھی وہ دبے پاؤں کوٹھی میں آیا تو دیکھا کہ ایک نور رابعہ کے سر پر فروزاں ہے اور وہ دنیا و مافیہا سے بے نیاز خشوع وخضوع کے ساتھ اپنے رب کے آگے سجدے میں پڑی رو رو کر کہہ رہی ہیں۔

”اے میرے مولا! تو میری مجبوریوں سے خوب آگاہ ہے۔ گھر

کا کام کاج مجھے تیری طرف آنے سے روکتا ہے تو مجھے اپنی عبادت کے لیے پکارتا ہے مگر میں ایک کنیز اور مجبور عورت ہوں۔ مالک کے کام سرانجام دیتے دیتے نمازوں کا وقت گزر جاتا ہے۔ اس لیے میرے گناہوں کو معاف کر دے۔ مجھ پر رحم فرما۔ اگر تو مجھے غیر کا محکوم نہ بناتا تو میں اپنا دن بھی تیری عبادت میں گزار دیتی اور رات بھی۔ لیکن یہ مشقت اور محکومی بھی تیری عنایت ہے۔ مجھے اس پر بھی شکر ہے"۔

تاجر عتیق نے اپنی کنیز کی یہ حالت دیکھی تو اس کی اپنی حالت غیر ہو گئی۔ انہوں نے صبح سویرے آپ سے معذرت طلب کی اور آپؒ کو آزاد کر دیا اور بقیہ ملازمین کے حق میں بھی اپنے سابقہ روش سے باز آیا۔ انہوں نے باقی ماندہ زندگی انتہائی پاکیزہ گزاری اور ممکنہ حد تک ظلم زیادتی اور آزار سے بچا رہا۔ انہوں نے رابعہؒ کو آزاد کرنے کے بعد اس خواہش کا اظہار کیا کہ اگر وہ اس کے پاس رہنا چاہیں تو یہ اس کی خوش نصیبی ہو گی بلکہ اب وہ ان کا غلام بن کر رہے گا مگر رابعہ بصریؒ نے وہاں رہنا پسند نہ فرمایا بلکہ تحصیل علم کے لیے کوفہ روانہ ہو گئیں، جو اس وقت بہت بڑا علمی مرکز تھا اور بڑے بڑے علماء وفضلا یہاں مقیم تھے۔ چونکہ آپؒ نہایت ذہین اور فطین تھیں اور حافظہ بھی بہت غضب کا پایا تھا، اس لیے بہت جلد آپؒ نے یہاں قرآن مجید حفظ کر لیا اس کے بعد فقہ اور علم حدیث میں کمال حاصل کر لیا اور پھر بہت جلد علوم ظاہری و باطنی میں اس درجہ کمال تک پہنچ گئیں کہ بڑے بڑے محدث اور فقیہہ آپؒ کی علمی ذکاوت دیکھ کر حیران رہ جاتے تھے۔ علوم ظاہری و باطنی میں کمال حاصل کرنے کے بعد آپؒ نے وعظ وتلقین کی مسند سنبھال لی۔

آپؒ کے وعظ کی تاثیر اور علمی مرتبہ کا اندازہ اس امر سے لگایا جا سکتا ہے کہ بڑے بڑے علماء کرام اور صوفیا کرام اس کے سننے کے لیے تشریف لایا کرتے تھے، جن میں امام سفیان ثوریؒ، حضرت مالک بن دینارؒ کے اسم گرامی خاص کر قابل ذکر ہیں۔ آپ کے وعظ کی تاثیر کے بارے میں بلا مبالغہ کہا جا سکتا ہے کہ شیخ عبدالقادر جیلانیؒ سے قطع نظر آپ ہی واحد ہستی

Marfat.com

ہیں جن کے وعظ میں ہزاروں لاکھوں افراد شریک ہوا کرتے تھے۔ آپؒ عام معمول میں بہت زیادہ کم گو تھیں۔ اگر کبھی کسی سے بات کرنی ہوتی تو آیات قرآنی کا سہارا لے کر اپنا مطلب بیان کرتی تھیں، لوگوں نے پوچھا کہ آپ ایسا کیوں کرتی ہیں؟ تو فرمایا کہ میں کوشش کرتی ہوں کہ قرآن کی آیتوں کے سوا کچھ نہ بولوں کیونکہ انسان جو کچھ کہتا ہے وہ فرشتے لکھتے ہیں، اس لیے میں چاہتی ہوں کہ میری عام گفتگو بھی آیات قرآنی سے مزین ہو اور ثواب سے محروم نہ رہوں۔

مختلف کتابوں میں آپؒ کے جو قوال درج ہیں ان کے مطالعہ سے واضح ہوتا ہے کہ اگر آپؒ نے کبھی گفتگو فرمائی بھی ہے تو موتیوں کو گفتار کی لڑیوں میں پرویا ہے۔ جس کی چمک سے مردہ ارواح تک دمک اٹھتے ہیں۔ ایک بار ایک صاحب نے آپؒ کی گوشہ نشینی پر معترض ہو کر کہا کہ ذرا باہر نکل کر دیکھئے کہ کیسی بار آئی ہے؟ تو بے ساختہ فرمایا: میرا کام صانع کو دیکھنا ہے اس کی صنعت کو نہیں۔

ایک دن حضرت سفیان ثوریؒ سے فرمایا: اے سفیان! تیری زندگی کے چند گنے چنے دن ہیں۔ جب ایک دن گزرتا ہے تو گویا تیرا ایک جز ختم ہوا اور قریب ہے کہ سارے جز ختم ہو جائیں، تو تُو بھی ختم ہو جائے گا اس لیے جو علم رکھتا ہے اس پر عمل کر اور اس سے اپنی عاقبت سنوار۔

ایک بار ان کی موجودگی میں سفیان ثوریؒ نے ہاتھ اٹھا کر دعا مانگی! ''اے اللہ! میں تجھ سے سلامتی کا سوال کرتا ہوں تو آپ سسک پڑیں، سفیان ثوریؒ نے ذرا متردد ہو کر پوچھا کہ کس بات نے تجھے رلایا، تو فرمایا: تو نے مجھے رلا دیا۔ کیا تو نہیں جانتا کہ دنیا کی سلامتی دنیا اور اس کے چیزوں کے ترک کر دینے میں ہے اور تو اس میں آلودہ ہے۔

ایک دفعہ ایک عورت نے آپؒ سے کہا کہ میں تجھ سے اللہ کے لیے محبت کرتی ہوں تو فرمایا پھر اس ذات کی اطاعت کر جس کے لیے تو اللہ سے محبت رکھتی ہے۔ پھر ریا کاری سے بچتے ہوئے فرمایا: اپنے نیک اعمال اور کاموں کو اس طرح چھپاؤ جس طرح تم اپنے عیوب اور

۲۳۴۹۷

Marfat.com

گناہوں کو چھپاتے ہو۔ ارشاد خداوندی ہے۔

"اگر اپنے صدقات اعلانیہ دو تو یہ بھی اچھا ہے لیکن اگر چھپا کر حاجت مندوں کو دو، تو یہ تمہارے حق میں زیادہ بہتر ہے، تمہاری بہت سی برائیاں اس طرز عمل سے محو ہو جاتی ہیں اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ کو بہر حال اس کی خبر ہے (بقرہ۔271)

ایک مرتبہ وعظ کے بعد کسی نے پوچھا: انسان راضی کب ہوتا ہے؟ اس کی نشانی کیا ہے؟

فرمایا: جب وہ ہر حال میں خوش ہو۔ جب اسے کوئی رنج یا تکلیف پہنچے وہ اس طرح ہو جس طرح نعمت ملنے پر، رضا بالقضا پر راضی ہو۔ کیونکہ دنیا سے بے رغبتی اور اغراض سے نجات راحت ہے۔ دنیا کی محبت ہر پریشانی اور مصیبت کی جڑ ہے۔ اگر ساری دنیا کسی ایک آدمی کو مل جائے تو وہ پھر بھی غنی اور مالدار نہیں بلکہ فقیر ہے کیونکہ دنیا فانی ہے اور جو چیز فانی ہوتی ہے وہ جلد ہی ختم ہو جاتی ہے۔

ہر چیز کا پھل ہے اور معرفت کا پھل خدا کی طرف متوجہ ہونا ہے۔ آپؒ فرمایا کرتی تھیں میرا غم اس لیے نہیں کہ میں غم زدہ ہوں بلکہ اس لیے ہے کہ میں بے فکر اور غمگین نہیں ہوں۔

عبادت و ریاضت میں آپؒ کی مثال دینا ممکن نہیں۔ اسی عبادت و ریاضت کی وجہ سے شیخ فریدالدین عطارؒ نے آپ کو مریم ثانی اور یکے از خاصانِ خدا کہا ہے۔ آپؒ عموماً گوشہ تنہائی میں زیادہ تر وقت گزارتی تھیں، شب و روز میں ایک ہزار نوافل پڑھا کرتی تھیں مگر خود کہا کرتی تھی کہ میں کبھی تنہا نہیں رہی ہر لمحہ اللہ تعالیٰ میرے ہمراہ ہوتا ہے۔ میں اس کا جلوہ دیکھتی ہوں اس کو پہچانتی ہوں۔ کیونکہ جب تک معبود کو پہچان نہ لیا جائے اس کی عبادت کیونکر ہو سکتی ہے۔

آپؒ فرمایا کرتی تھیں کہ عبادت صرف اس کی رضا اور خوشنودی کے لیے کرنی چاہیے۔ جنت اور جہنم کی خوف و طلب سے بالاتر ہو کر کی گئی عبادت ہی انسان کو مقام محمود تک پہنچاتی ہے۔ اس لیے ایک دن حالت جذب میں اہل بصرہ نے دیکھا کہ آپؒ ایک ہاتھ میں آگ اور دوسرے ہاتھ میں پانی کا لوٹا لئے ہوئی بھاگی چلی جا رہی تھیں لوگوں نے یہ حال دیکھا تو پوچھا کہ کہاں جا

Marfat.com

رہی ہیں؟ فرمایا میں اس پانی سے دوزخ کی آگ اور اس آگ سے جنت کو پھونک ڈالنا چاہتی ہوں تا کہ لوگ دوزخ کی خوف اور جنت کی لالچ سے بے فکر ہو کر صرف رضائے الٰہی کے لیے عبادت کیا کریں۔ کیونکہ آپؒ خوف اور طمع سے بے نیاز عبادت کے حق میں تھیں۔ تاہم خوف اور طمع دونوں حالتوں میں اللہ تعالیٰ کی عبادت جائز ہے۔

آپؒ نے بہت سارے مجاہدات کیئے، اپنی گریہ وزاری اور شب بیداری کے باعث آپؒ اعلیٰ مراتب پر فائز ہوئیں۔ آپ نے ہر حال میں خدا کی خوشنودی اور رضا کو مقدم رکھا، اس لئے سوختہ عشق اور اُم الخیر کہلاتی ہیں۔

طویل عمری کے باعث آپؒ بے حد کمزور اور ہڈیوں کا ڈھانچہ بن کر رہ گئی تھیں مگر بڑھاپے کی نقاہت اور ضعف کے باوجود آپؒ کا زہد، عبادت اور تقویٰ کمزور نہیں ہوا بلکہ عمر گزرنے کے ساتھ ساتھ وہ اور قومی اور مضبوط ہوتا گیا۔

نماز عشاء کے بعد جب ہر طرف رات کی خاموشی چھا جاتی تو آپ اپنے گھر کی چھت پر کھڑی ہو کر عبادت کے لیے اپنا مصلےٰ بچھاتی اور فرماتی:

''اے الٰہی! ستارے روشن ہو گئے اور لوگ سو گئے۔ بادشاہوں نے اپنے محلات کے دروازے بند کر لیے، ہر ایک اپنے محبوب کی خلوت میں چلا گیا اور میں تیرے در پر کھڑی ہوں، تو مجھ سے راضی ہو جا اور پھر صبح صادق تک نوافل میں مصروف رہا کرتی تھیں۔ جب رات کا سینہ شق ہوتا اور سپیدہ سحر نمودار ہوتا تو فرماتی بے شک رات گزری اور دن نکل آیا اے اللہ! تیری عزت کی قسم جب تک میں زندہ ہوں میری یہی معمول رہے گی، تیری عزت کی قسم! اگر تو مجھے اپنے دروازے سے دھتکار بھی دے تب بھی میں تیرے دروازے پر پڑی رہوں گی۔ کیونکہ میں تیری محبت میں سرشار ہوں۔ تو میری خوشی، میری آرزو، میرا سہارا اور میرا رفیق ہے۔ تو میرا مقصود و مطلوب ہے۔ اس لئے آپ کی سجدہ

Marfat.com

گاہ ہمیشہ آنسوؤں سے تر رہتی تھی''۔

آپؒ کی زندگی بچپن سے لے کر جوانی تک رنج والم، آفات ومصائب سے عبارت ہے۔ کثرت رنج والم اور خون وملال نے آپؒ کو دنیا اور اس کی دلفریبیوں سے بیگانہ کر دیا تھا اور اسی جذبہ بیگانگی نے بے نیازی کی شکل اختیار کر لی اور آپؒ نے اپنا ناطہ خالق کائنات سے جوڑ لیا اور ''عشق الٰہی'' کے مسلک کو بنیاد بنا کر اسلامی تصوف میں ''حب الٰہی'' کو ایک مستقل اور محکم مسلک کی صورت میں پیش کیا۔ اس لیے آپؒ نے ہر حال اور ہر وقت رضائے الٰہی کو سب پر مقدم رکھا۔ دنیا اور اس کے علائق سے اپنا رشتہ مکمل طور پر قطع کر لیا تھا۔

حضرت مالک بن دینارؒ فرماتے ہیں کہ ایک بار میں آپؒ کی خدمت میں حاضر ہوا اور گھر کے ساز وسامان کا جائزہ لیا تو دیکھا کہ ایک ٹوٹا پیالہ ہے جس سے آپؒ وضو کرتی تھیں اور پانی پیا کرتی تھیں، ایک پرانی چٹائی تھی جو جائے نماز کے طور پر مستعمل تھی اور ایک اینٹ تھی جو تکیہ کا کام دیتی تھی دو تین اور معمولی برتن تھے جبکہ پہناوا موٹے کمبل کا کرتہ تھا جو بعد میں بطور کفن کے کام آیا۔

ایک دفعہ چند اللہ والے آپ کی محفل میں شریک ہوئے۔ انہوں نے دوران گفتگو قیامت اور دنیا کا تھوڑا بہت تذکرہ کیا جب وہ رخصت ہوئے تو آپؒ نے اپنی خادمہ سے کہا کہ آئندہ جب یہ لوگ میری محفل میں شرکت کرنے کی اجازت طلب کریں تو ان کو اجازت مت دینا کیونکہ میں ان کے اندر حب دنیا محسوس کرتی ہوں۔ ایک بار ایک عقیدت مند نے آپ کی خستہ حالی اور غربت دیکھ کر چالیس دینار آپؒ کی خدمت میں پیش کئے کہ آپ ان دیناروں سے اپنی ضروریات پورا کر لیں۔ یہ دیکھ کر آپ رو پڑیں اور آسمان کی طرف نگاہ اٹھا کر کہا: وہ جانتا ہے کہ میں اس سے دنیا کے بارے میں سوال کرتے ہوئی شرماتی ہوں حالانکہ وہ مالک ہے تو پھر کس طرح آپ سے یہ رقم لے لوں جو تو اس کا مالک نہیں۔

ایک رات ایک چور غلطی سے آپؒ کے غریب خانے میں اس خیال سے گھس آیا کہ یہاں دنیاوی مال ومتاع ہوگی اور کوئی روکنے ٹوکنے والا بھی نہیں ہوگا مگر اس کو یہ دیکھ کر سخت

Marfat.com

مایوسی ہوئی کہ گھر میں سوائے ایک لوٹے کے اور کوئی چیز نہ تھی جو وضو کے لیے استعمال ہوتا تھا۔ اس وقت رابعہ بصریؒ نماز کے لیے کھڑی تھیں۔ سلام پھیر کر آپؒ نے دیکھا کہ چور خالی ہاتھ جا رہا ہے تو آواز دی: اگر تو واقعی چور ہے اور عقل مند بھی تو اس گھر سے خالی ہاتھ مت جانا۔

چور نے پلٹ کر بوڑھی رابعہؒ کو دیکھا اور بے دلی سے کہا: اس گھر میں اس لوٹے کے سوا اور کیا ہے؟

آپؒ نے شفقت بھرے لہجے میں کہا: اے بیٹے! اس لوٹے کو لے کر وضو کر اور اللہ تعالیٰ کے لیے دو رکعات نفل پڑھ، تو پھر یہاں سے خالی ہاتھ نہیں جائے گا۔ چنانچہ چور نے آپؒ کا کہا مانا اور وضو کے بعد مصلیٰ پر کھڑا ہوا تو آپؒ نے ہاتھ اٹھائے: اے میرے آقا! اے میرے مولا! اس غریب چور کو میرے در سے کچھ نہیں ملا تو اس کو میں نے تیرے دروازے پر کھڑا کر دیا۔ تو اس کو محروم نہ فرما۔ ان الفاظ کے ساتھ ہی چور کی کایا پلٹ گئی اور پھر ان کا شمار اپنے وقت کے کاملین میں ہونے لگا۔

ایک بار دو نیک بندے آپؒ کے مہمان ہوئے۔ گھر میں اس وقت صرف دو روٹیاں تھیں، آپؒ نے چاہا کہ ان سے مہمانوں کی تواضع کی جائے کہ اچانک دروازے پر ایک سائل نے صدا دی تو آپؒ نے وہ دونوں روٹیاں اس سائل کو دے دیں۔ مہمان یہ سب کچھ دیکھتے رہے۔ کچھ دیر بعد دروازے پر دستک ہوئی۔ دروازہ کھول کر دیکھا تو ایک کنیز نے دستر خوان میں لپٹی ہوئی روٹیاں آپؒ کی خدمت میں پیش کیں کہ میری مالکہ نے آپ کے لیے بھیجی ہیں۔ آپؒ نے روٹیاں گنیں اور پھر انہیں اس کنیز کو واپس کرتے ہوئے کہا! تمہاری مالکہ نے گننے میں غلطی کی ہے۔ جتنی روٹیاں وہ بھیجنا چاہتی تھیں ان سے دو روٹیاں کم ہیں۔ کنیز روٹیاں لے کر واپس گئیں اور سارا ماجرہ مالکہ سے بیان کیا مالکہ نے روٹیاں گنیں تو کہا بے شک دو روٹیاں کم ہیں۔ میں بیس روٹیاں بھیجنا چاہتی تھی مگر غلطی سے اٹھارہ رکھی ہیں۔ اور پھر بیس روٹیاں آپؒ کی خدمت میں بھیجیں جس سے مہمانوں کی تواضع کی گئی، سب نے شکم سیر ہو کر کھایا۔ کھانے سے فراغت کے بعد مہمانوں نے پوچھا کہ آپؒ کو کیسے معلوم ہوا کہ دو روٹیاں کم ہیں۔

Marfat.com

آپؒ نے فرمایا: میرے مولا کا وعدہ ہے کہ وہ دُنیا میں ایک کے بدلے دس اور آخرت میں ستر عطا کرے گا۔ میں نے دو روٹیاں دیں اس کے بدلے اٹھارہ روٹیاں ملیں تو میں سمجھی کہ یقیناً یہ گننے والی کی غلطی ہے کیونکہ میرے رب کا وعدہ ہمیشہ سچا ہوتا ہے، یہ سن کر مہمان ان کے توکل علی اللہ پر حیران رہ گئے۔

عبادت ریاضت کے ساتھ آپؒ نے فریضہ حج بھی ادا کیا تھا۔ اس سفر حج کا حال بیشتر تذکروں میں معمولی اختلاف کے ساتھ بیان ہوا ہے۔ طویل عبادت و ریاضت کے بعد جب آپؒ نے اللہ کے گھر میں حاضری چاہی تو آغاز سفر ہی میں آپؒ کا گدھا اچانک گر کر مر گیا۔ اہل قافلہ نے آپؒ کا بوجھ بانٹنا چاہا مگر آپؒ نے سختی سے انکار کیا اور کہا: میں آپ لوگوں کے سہارے اور بھروسے پر گھر سے نہیں نکلی ہوں۔ بلکہ اپنے رب کے بھروسے پر چل پڑی ہوں۔ آپ چلیں میرا حال ان سے مخفی نہیں۔ مجبوراً قافلہ آگے بڑھا تو آپؒ خدا کے آگے سجدہ ریز ہوئیں۔

> ''اے رب العالمین! میں ایک کمزور عورت ہوں اور تیرے دیدار کی پیاسی ہوں۔ تو نے میری تشنگی میں اضافہ کر دیا۔ مجھے اپنے پاس بلانے کی بجائے اس بیاباں میں تنہا چھوڑ دیا، ابھی آپؒ محو دعا تھیں کہ آپ کا گدھا زندہ ہو کر اٹھا، آپؒ نے اس گدھے پر اپنا سامان لاد کر فریضہ حج ادا کیا اور حج سے واپسی پر جب آپ اپنے گھر کے دروازے پر پہنچیں تو وہ گدھا گر کر مر گیا۔''

آپؒ شاعرہ بھی تھیں اور آپؒ نے اپنے دلی جذبات اور قلبی احساسات کا اظہار نہایت عمدہ پیرائے میں کیا ہے۔ آپؒ کی شاعری کا بنیادی موضوع تصوف کے اسرار و رموز، خوف خدا اور حب الٰہی ہے۔ سارا کلام واردات قلبی اور عشق سے معمور ہے، ایک مقام پر فرماتی ہیں۔

> ''اے نفس! تو اللہ کی محبت کا دعویدار ہے، حالانکہ اس کی نافرمانی بھی کرتا رہتا ہے اس سے بڑھ کر کوئی عجیب بات ہو سکتی ہے''۔

Marfat.com

دوسرے مقام پر فرماتی ہیں: میری راحت میرے بھائیو! اس میں ہے کہ میں خلوت میں رہوں اور میرا محبوب ہمیشہ میرے ساتھ ہے۔ میں اپنے لیے ان کی خواہش سے کوئی عوض اور بدلہ نہیں چاہتی اور اس کی خواہشات میرے جنگلات ہیں۔ محنت، مشقت اور برداشت کرنا میری آزمائش ہے۔

عشق الٰہی کے بارے میں فرماتی ہیں: وہ ایسا محبوب ہے جس کے برابر کوئی محبوب نہیں۔ اس کے علاوہ غیر کے لیے میرے دل میں کوئی جگہ نہیں۔

"اے طبیب قلب! میری اُمیدوں و آرزوؤں کے مالک، مجھے
اپنا وصال نصیب فرما تا کہ میرا دل شفا پائے"۔

اے میرے محبوب! میری خوشی اور میری زندگی ہمیشہ تیرے
ساتھ وابستہ ہے۔ میں نے تیرے وصال کی خاطر تمام مخلوق کو چھوڑا
ہے۔ تو ہی میری سب سے بڑی پہلی اور آخری آرزو اور تمنا ہے"۔

آپؒ کی شاعری کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ آپؒ نے تمام عمر مجرد گزاری اور شادی نہیں کی۔ حالانکہ جوانی میں آپؒ بہت خوبصورت تھیں اور کئی لوگوں نے آپؒ سے شادی کرنا چاہی جن میں تذکرہ نگاروں نے کئی بڑے امراء، علماء اور فضلا کے نام بھی لکھے ہیں مگر آپؒ نے عبادت میں رکاوٹ کے باعث شادی سے گریز کیا کیونکہ آپؒ ایک لمحے کے لیے بھی خدا سے دوری کو پسند نہیں فرماتی تھیں اور کہا کرتی تھیں کہ میں شادی کے بوجھ اور وزن کو اٹھانے کی استطاعت نہیں رکھتی۔ مگر بعض نے لکھا ہے کہ آپؒ نے سنت نبویؐ کے تتبع میں نکاح کیا تھا اور اللہ تعالیٰ نے آپؒ کو تین فرزند ابراہیم، موسیٰ، اور یحییٰ عطا فرمائے۔ اس کے بعد آپؒ بیوہ ہوئیں۔ خاوند کے انتقال کے بعد آپؒ نے دوسرا نکاح نہیں کیا بیٹے انتہائی سعادت مند نکلے۔ جو والدہ کے جملہ حقوق آخری دم تک احسن طریقے سے ادا کرتے رہے۔

آپؒ نے طویل عمر پائی اور 185 ہجری میں اٹھاسی برس کی عمر میں آپؒ نے بصرہ میں وفات پائی۔ آپؒ کی وفات کا واقعہ بھی بڑا ایمان افروز اور روح کو سرشار کر دینے والا ہے۔

Marfat.com

وفات سے تھوڑی دیر قبل کچھ لوگ عبادت کے لیے آئے۔ جن میں اکثر اولیاء اور بڑے بڑے علماء تھے۔ آپؒ نے ان سب کو خوش آمدید کہا اور کچھ دیر توقف کے بعد ان سے فرمایا:

''آپ لوگ باہر تشریف لے جائیں۔ اب وقت وصال ہے۔ اس لیے فرشتوں کے لیے راستہ چھوڑ دیں''۔ آپؒ کی بات سن کر لوگ کمرے سے باہر نکل آئے تو آپؒ نے اٹھ کر دروازہ بند کیا۔ کچھ دیر باتیں کرنے کی آوازیں آتی رہیں پھر آپ نے کلمہ طیبہ کا ورد شروع کیا پھر لوگوں نے آپ کی آواز سنی:

''اے نفس مطمئنہ! اپنے رب کی طرف واپس آؤ'' اس کے ساتھ ہی خاموشی چھا گئی۔ لوگوں نے دروازہ کھول کر دیکھا تو آپؒ کی روح قفس عنصری سے رحمت الٰہی کی طرف پرواز کر چکی تھی۔

☆

Marfat.com

حضرۃ اُمِ بایزید بسطامیؒ

ایرانی علاقہ قوس کے شہر بسطام میں ایک حجرہ موبدان تھا۔ جس میں ایک نہایت عابد و زاہد اور نیک نفس بزرگ رہائش پذیر تھے جس کا نام شیخ عیسیٰ تھا۔ ان کی زوجہ بھی ان کی طرح نیک صالحہ، عابدہ اور تہجد گزار خاتون تھیں۔ میاں بیوی دونوں کی زہد و تقویٰ اور پارسائی میں کوئی ثانی نہ تھا۔ خاص کر رزق حلال پر دونوں خصوصی توجہ دیتے تھے۔ حرام اور مشکوک رزق سے بچنے کی از حد کوشش کرتے تھے اور اگر کوئی مشکوک چیز لاعلمی سے ان کے حلق سے نیچے اترتی بھی تو اسی وقت ان کو معلوم ہوتا اور ایک عجیب سی بے کلی اور بے چینی سے انہیں دوچار ہونا پڑتا تھا۔ زوجہ محترمہ اُمید سے تھی بچے کی آمد آمد تھی۔ ایک دفعہ بھولے سے کوئی مشکوک چیز انہوں نے کھائی اس وقت ان کی طبیعت بے حد ناساز ہوئی تو ان کے حلق میں اُنگلی ڈال کر وہ غذا نکالنی پڑی تب طبیعت بحال ہوئی، یہ حال میاں کا بھی تھا کہ جب تک وہ مشکوک غذا پیٹ سے باہر نہیں آتا ان کو آرام نہیں ملتا تھا۔ اس کیفیت کو میاں بیوی دونوں شدت سے محسوس کر رہے تھے جو آنے والے بچے کی نیک نامی کی علامت تھی۔ اس لیے اب ان کا زیادہ تر وقت عبادت و ریاضت میں صرف ہوتا تھا جبکہ کھانے پینے کی چیزوں میں اور انتہائی محتاط ہو گئے۔ ان کو یقین تھا کہ آنے والا بچہ بہت مبارک بچہ ہے۔ ان سے مخلوق خدا کو بہت زیادہ فیض پہنچے گا اور اس کی وجہ سے رہتی دنیا تک والدین کا نام روشن ہوگا۔ وہ آنے والے مہمان کی بے تابی سے انتظار کر رہے تھے مگر قسمت میں کچھ اور لکھا تھا خدا کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ نئے مہمان کی آمد سے قبل شیخ عیسیٰؒ کے لیے بلاوا آ گیا اور وہ بچے کی آمد سے قبل اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔

Marfat.com

زوجہ محترمہ پر غموں کا پہاڑ ٹوٹ پڑا بطن میں بچہ اور بیوگی کا المیہ۔۔۔ یہ ان کے لیے بہت بڑا سانحہ تھا مگر وہ بھی بڑی زعم اور برداشت کرنے والی خاتون تھیں۔ اس لیے اس کو ایک آزمائش سمجھی اور اس سختی کو جھیلا۔ اور یوں جب وہ بچہ پیدا ہوا تو بیشتر اولیاء کی طرح وہ بھی یتیم تھا۔ بیوہ نے بچے کا نام بایزید رکھا۔ بعض نے طیفور بھی لکھا ہے۔ یہی وہ مبارک بچہ تھا جس نے 10 محرم 227ھ بمطابق 745ء کو جنم لیا اور شہر بسطام کے حوالے سے پھر بایزید بسطامیؒ کہلائے۔

بیوہ ماں نے بچے کی تعلیم و تربیت اور نگہداشت پر خصوصی توجہ دی، بچہ خود بھی نہایت ذہین اور ہوشیار تھا اس لیے جلد ہی نو عمری میں جملہ علوم میں کمال حاصل کیا۔ خاص کر قرآن پاک کی آیتوں سے آپؒ جس طرح استدلال کر لیا کرتے وہ خود ان کے اساتذہ کے لیے باعث حیرت تھا۔ ایک دن مکتب میں بیٹھے ہوئے سورۃ لقمان کی یہ آیت پڑھی۔۔۔ اَنِ اشْکُرْ لِی وَلِوَالِدَیکَ ۔۔۔ (آیت 14) ہمارا بھی شکرگزار بنو اور والدین کا بھی۔۔۔ تو مخمصے میں پڑ گئے۔ مکتب سے چھٹی کے بعد اپنی والدہ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا: اماں جان! میں انسان ہوں۔ کمزور اور ناتواں ہوں۔ میں اپنے آپ میں اتنی قوت اور استطاعت نہیں دیکھتا کہ بیک وقت آپ کا بھی شکر ادا کروں اور خدا کا بھی! لہٰذا آپ مجھے خدا سے طلب کر لیں تاکہ میں آپ کا شکر ادا کرتا رہوں یا پھر مجھے خدا کے سپرد کریں تاکہ میں ان کا شکرگزار بندہ بنوں''۔

اپنے کم عمر بیٹے کے منہ سے دانائی کی یہ باتیں سن کر اس نے خدا کے حضور سجدہ شکر ادا کیا کہ وہ اپنے بچے کی تعلیم و تربیت میں پوری اتری، اس سے کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں ہوا ہے۔ اس کے بعد انہوں نے اپنے بیٹے کا ماتھا چوما اور کہا:

بیٹے! میں اپنے حقوق سے دستبردار ہوتی ہوں اور تجھے خدا کے سپرد کرتی ہوں۔ خدا تجھے دنیا اور آخرت دونوں میں سرخرو فرمائے میری دعائیں تیرے ساتھ ہیں۔ تم ہر حال میں خدا کا شکرگزار بندہ بنو، علم اور معرفت کی تلاش میں جہاں جانا چاہو جس سے حاصل کرنا چاہو میری طرف سے تمہیں اجازت ہے۔ چنانچہ ماں کی دعاؤں کے سایے میں بایزید بسطامیؒ حصول علم و معرفت کے لیے گھر سے نکلے اور برسوں تک قریہ قریہ شہر شہر کی خاک چھانتے رہے اور علم و

Marfat.com

معرفت کی دولت سمیٹتے رہے۔اس دوران آپؒ نے 170 علماء ومشائخ سے شرف نیاز حاصل کیا اوران کے فیوض سے سیراب ہوئے۔آپؒ کے اساتذہ میں امام جعفر صادقؓ کا اسم گرامی خاص کر قابل ذکر ہے۔والدہ سے کیا ہوا وعدہ آپؒ نے ایفا کیا اور اس قدر یکسوئی اور دل جمعی سے تحصیل علم کیا کہ بہت جلدان کا شہرہ عالم میں پھیل گیا۔اس کے بعد امام جعفر صادقؓ نے آپؒ کو واپس بسطام لوٹنے اور ماں کی خدمت کرنے کا حکم دیا۔جس نے خدا کی خاطر اپنے حقوق سے دستبردار ہو کر تجھے حصول علم ومعرفت کے لیے وقف کیا تھا۔اس کے ارشاد کے مطابق آپؒ وطن واپس لوٹ آئے اور والدہ کی خدمت میں جت گئے۔

حضرت بایزید بسطامیؒ خود بھی فرماتے ہیں کہ مجھے جتنے بھی مراتب حاصل ہوئے سب والدہ کی اطاعت اور دعاؤں کے طفیل حاصل ہوئے۔ایک مرتبہ میری والدہ نے رات کو پانی مانگا۔لیکن اتفاق سے اس وقت گھر میں پانی نہ تھا، پانی کے تمام برتن خالی پڑے تھے چنانچہ میں گھڑا لے کر نہر سے پانی لے آیا۔آ کر دیکھا تو ماں کی آنکھ لگ چکی تھی اور میں ہاتھ میں پانی کا کٹورا لیے رات بھران کے سرہانے کھڑا رہا۔سردی کا موسم تھا۔اس قدر غضب کی سردی پڑ رہی تھی کہ کٹورے میں پینے کا پانی تک منجمد ہو گیا مگر میں اپنی جگہ سے ہلا نہیں اور جب والدہ کی بیداری کے بعد انہیں پانی پیش کیا تو مجھے دیکھ کر وہ میری حالت بھانپ گئیں اور شفقت بھرے لہجے میں فرمایا: تم نے پانی رکھ دیا ہوتا اتنی دیر کھڑے رہنے کی کیا ضرورت تھی۔میں نے عرض کیا کہ محض اس خوف سے کھڑا رہا کہ مبادا آپ کہیں بیدار ہو کر پانی نہ پائیں اور آپ کو تکلیف پہنچے۔یہ سن کر ماں کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور انہوں نے ڈھیر ساری دعاؤں سے آپؒ کو نوازا۔اس طرح ایک رات والدہ نے فرمایا کہ دروازے کا ایک پٹ کھول دو۔لیکن میں رات بھر اسی پریشانی میں مبتلا کھڑا رہا کہ کونسا پٹ کھول دوں۔دایاں کہ بایاں، کیونکہ اگر ان کی مرضی کے خلاف پٹ کھولا گیا تو حکم عدولی میں شمار ہوگا۔چنانچہ اماں کی ان خدمتوں کے عوض مجھے یہ مراتب حاصل ہوئے۔اس لیے بزرگان دین کی متفقہ رائے ہے کہ بایزید کے مراتب تک کوئی نہیں پہنچا۔آپؒ کے بارے میں فرمایا گیا ہے کہ تمام سالکان کی انتہا آپ کی ابتدا ہے۔آپؒ کو

Marfat.com

اولیاء میں وہ مقام حاصل ہے جو فرشتوں میں حضرت جبرائیلؑ کو حاصل ہے۔ یہ ان کی والدہ کی بابرکت دعائیں تھیں جس کے سبب بایزید بسطامیؒ نے وہ سب کچھ حاصل کرلیا جس کی وہ ایک مدت سے متلاشی تھے۔

اپنی والدہ کے علاوہ بایزید بسطامیؒ نے ایک اور بڑھیا عورت کا ذکر خیر بھی کیا ہے اور ان کو اپنا مرشد مانا ہے۔ کیونکہ ایک بار کسی نے آپؒ سے پوچھا کہ آپ کا مرشد کون ہے تو فرمایا کہ ایک بوڑھی عورت، ایک بار میں جنگل میں تھا کہ ایک بڑھیا سر پر آٹا اٹھائے آ رہی تھی۔ تھکاوٹ اور پیراں سالی کی وجہ سے وہ بمشکل چل رہی تھی۔ چنانچہ اس نے مجھ سے کہا کہ میں اس کی مدد کروں اور اس کا یہ آٹا اس کے گھر تک پہنچادوں۔ اسی اثنا میں ایک شیر آ گیا تو میں نے وہ آٹا شیر کی کمر پر رکھ دیا اور بڑھیا سے کہا کہ آٹا تو یہ شیر تمہارے گھر تک پہنچادے گا مگر اس سلسلے میں لوگوں سے کیا کہو گی۔ اس پر بڑھیا نے جواب دیا کہ میں لوگوں سے کہوں گی کہ آج جنگل میں میری ملاقات ایک خودنما ظالم سے ہوئی یہ اُس کی مہربانی ہے۔

بڑھیا کا جواب سن کر میں بہت سٹپٹایا اور کہا نیک بخت بھلا تو نے مجھے خودنما ظالم کیوں کہا۔ اس پر بڑھیا نے جواب دیا جب شریعت نے شیر کو مکلّف نہیں بنایا تو تم اپنا بوجھ ایک غیر مکلّف کی پشت پر کیوں لاد رہے ہو کیونکہ یہ سراسر ظلم ہے تم ایسا کر کے لوگوں پر اپنی کرامت ظاہر کررہے ہو اور اس کا نام خودنمائی ہے۔

آپؒ فرماتے ہیں کہ میں نے اس بڑھیا سے نصیحتیں اور عبرت حاصل کی اور خودنمائی اور کرامت دکھانے سے توبہ کی۔ اس لیے میں اس بڑھیا کو اپنا مرشد تسلیم کرتا ہوں۔

حضرت بایزیدؒ نے تقریباً بارہ سال تک تارک الدنیا رہے اور گھر بار سے کنارہ کشی اختیار کر کے جنگلوں اور صحراؤں میں گھومتے رہے۔ ایک مرتبہ مدینہ میں روضہ رسول اکرمؐ پر حاضری دی۔ درود سلام کا سلسلہ جاری تھا کہ غنودگی طاری ہوئی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا دیدار نصیب ہوا۔ آپؐ نے حکم دیا اٹھو بایزید! اور جا کر اپنی ماں کی خدمت بجالاؤ، آپؒ نے اسی وقت بسطام کے لیے رخت سفر باندھا۔ اور اپنی ماں کی عظمت اور مرتبے سے آپؒ کا دل دھل

Marfat.com

گیا کیونکہ ان کی خدمت کا رسول اکرمؐ نے حکم دیا تھا جس سے آپؒ کو اپنی ماں کی بزرگی اور عظمت کا اندازہ ہوا۔ جس وقت آپؒ اپنے گھر پہنچے اس وقت آدھی رات ڈھل چکی تھی۔ آپ کی والدہ ماجدہ جائے نماز پر بیٹھی مناجات اور درود و وظائف میں مشغول تھیں اور خدا سے دعا مانگ رہی تھی: یا اللہ! میرے لخت جگر، نور نظر، میرے مسافر کو راحت سے رکھنا، ان کے اساتذہ اور مشائخ کو ان سے خوش رکھنا اور ان کو اس کا جزائے خیر عطا فرمانا، یا اللہ! میرے جگر گوشہ کو بحفاظت اپنے گھر واپس بھیج دینا۔ یہ سن کر آپؒ بے اختیار رو پڑے کیونکہ ان کی دعا منہ سے نکلتے ہی قبول و منظور ہو چکی تھی۔ آپ نے دروازے پر دستک دی۔ ماں نے سجدے سے سر اٹھا کر پوچھا: رات کے اس پہر کون؟ آپؒ نے فرمایا: اماں جان، میں آپ کا فرزند بایزید ہوں۔ ماں نے کانپتے ہاتھوں سے ٹٹول کر دروازہ کھول دیا۔ کیونکہ وہ آپؒ کی جدائی اور فرقت میں رو رو کر بصارت سے محروم ہو چکی تھی۔ نقاہت اور بڑھاپے کے مارے ان کی کمر دوہری ہو چکی تھی مگر اس نے کوئی پیامبر بھیج کر گھر واپس آنے کے لیے نہیں فرمایا کیونکہ اس نے خدا کے لیے اپنے حقوق سے دستبردار ہونے کا اعلان کیا تھا۔ انہوں نے نہایت حوصلے اور ثابت قدمی سے یک تنہا زندگی گزار دی مگر آپ کے حصول علم کی راہ میں کوئی رکاوٹ حائل نہ ہونے دی۔ انہوں نے آپ کی خاطر تمام مصائب کو جھیلا اور آپ کی خاطر ہر راحت کو تج دیا تبھی بایزید بایزید بسطامیؒ بنے۔ ماں نے دروازہ کھول کر آپ کو کلیجے سے لگا لیا۔

ماں کی اس ایثار و قربانی کو آپؒ نے کبھی فراموش نہیں کیا۔ اس کے بعد آپ کہیں نہیں گئے اور سورۂ بنی اسرائیل کی اس آیات کی علمی تفسیر بنے رہے۔

"اور والدین کے ساتھ حسن سلوک کرتے رہو، ان میں سے کوئی ایک یا دونوں تمہارے سامنے بڑھاپے کو پہنچیں تو انہیں اُف تک نہ کہو اور نہ ان کو جھڑکو اور ان سے ادب کے ساتھ بات چیت کرو، اور ان کے سامنے شفقت اور انکساری کے ساتھ جھکے رہو اور ان کے حق میں ہمیشہ دعا کرتے رہو کہ اے میرے رب! جس طرح انہوں نے مجھے بچپن

Marfat.com

میں پالا، پرورش کیا اور میرے حال پر رحم کرتے رہے، اسی طرح تو بھی
ان پر رحم فرما'' (23-24)۔

آپؒ دن رات والدہ کی خدمت کرتے رہے اور فرمایا کرتے تھے کہ ماں کی خدمت اور رضا جوئی ہر کام پر فوقیت رکھتی ہے۔ جو کچھ باہر جا کر میں مجاہدوں اور ریاضتوں میں تلاش کرتا رہا وہ سب کچھ ماں کی خدمت میں مل گیا۔

حضرت بایزید بسطامیؒ کو کسی دوست نے وصال کے بعد خواب میں دیکھا کہ آپ جنت میں بڑے مزے سے ٹہل رہے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی تسبیح میں محو ہیں۔ پوچھا گیا آپؒ کو یہ مقام کیسے نصیب ہوا؟ فرمایا ''والدہ کے ساتھ حسن سلوک اور خدمت گزاری کے سبب''۔

اس بات سے ہم اُم بایزید بسطامیؒ کے مقام و مرتبہ کا اندازہ لگا سکتے ہیں۔

-☆-

حضرۃ مخہ بنت حارثؒ

امام احمد بن حنبلؒ کی محفل سجی تھی۔ وعظ و تلقین و ارشاد کے بعد سوال و جواب کا سلسلہ شروع ہوا۔ عموماً اکثر سوالات مختلف اور عجیب و غریب نوعیت کے ہوتے تھے۔ بعض سوالات تو اس قسم کے ہوتے تھے کہ سننے والے کی ہنسی چھوٹتی، مگر آپؒ نہایت تحمل سے ہر سوال کا جواب دیتے رہے۔ شرعی مسائل، فقہ، قرآن و حدیث وغیرہ کے متعلق سوالات کے جوابات خود دیئے مگر ایک سائل نے جب مسائل طریقت کے بارے میں پوچھا تو آپؒ نے ذرا توقف فرمایا۔ سائل کو جانچنے کے بعد آپؒ نے انہیں حضرت بشیر حافیؒ کی خدمت میں ہونے کو کہا کہ وہ آپ کو ان سوالات کا تسلی بخش جواب دے سکیں گے۔ یہ سن کر سوال پوچھنے والا ذرا رکا اور پھر کہا: حضرت آپؒ ایک فقیہہ، محدث ہونے کے باوجود مجھے ایک خبطی کے پاس بھیج رہے ہیں؟ یہ سن کر امام صاحب دل میں آزردہ ہوئے مگر پھر بھی اپنے لہجے میں شگفتگی برقرار رکھی اور کہا: آپ نے بجا فرمایا کہ مجھے اپنے علوم پر مکمل عبور حاصل ہے۔ لیکن وہ خبطی اللہ تعالیٰ کو مجھ سے زیادہ جانتا ہے۔ یہ سن کر وہ سائل خاموش ہوا۔ جب زیادہ تر لوگ چلے گئے اور چند ایک رہ گئے اور وہ بھی جانے کے لیے اٹھنے لگے تو امام صاحب نے محفل برخاست سمجھی اور اپنے پیچھے کھڑے بیٹے عبداللہ کو جانے کا اشارہ کیا وہ آپ کو اٹھنے میں سہارا دینے کے لیے آگے بڑھا تو اس وقت ایک باپردہ پر وقار خاتون آگے بڑھیں جو کافی بارعب دکھائی دے رہی تھیں اور ایک نورانی ہالہ اس کے چہرے کا احاطہ کیے ہوئے نظر آ رہا تھا۔ اس خاتون نے پوچھا۔

''میں سوت کات کر رزق حلال کماتی ہوں۔ اس کی آمدن پر میری گزر بسر ہے۔ بعض

Marfat.com

اوقات رات کو چراغ بجھ جاتا ہے تو میں چاند کی روشنی میں سوت کاتتی ہوں۔ایسی صورت میں کیا میرے لیے ضروری ہے کہ چراغ اور چاند کی روشنی میں کاتتے ہوئے سوت کو علیحدہ علیحدہ کروں؟

یہ عجیب وغریب سوال سن کر امام صاحب کو کافی حیرت ہوئی کہ اس زمانے میں اور وہ بھی خواتین میں اس قدر پارسا لوگ موجود ہیں، جو رزق حلال کا اس قدر اہتمام کرتے ہیں۔ امام صاحب اس عورت کی پارسائی اور رزق حلال کے اس قدر اہتمام پر حیرت سے سناٹے میں آ گئے۔کچھ دیر تو مبہوت سائلہ کو تکتے رہے پھر کچھ دیر تامل کے بعد فرمایا:

''اگر آپ کو دونوں میں فرق نظر آتا ہو تو خریدنے والوں کو اس پر آگاہ کیا کرو''۔

اس کے بعد خاتون نے دوسرا سوال پوچھا: کیا مریض کا کراہنا شکوہ ہے؟

یہ سن کر امام صاحب نے فرمایا: ''میرے خیال میں یہ شکوہ نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ سے فریاد ہے''۔

اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر دے کہ ہم جیسے لاعلم آپ کے علم کی روشنی سے اپنی تاریک راہیں روشن کرتے ہیں۔دعا دینے کے بعد وہ خاتون روانہ ہوئیں اور امام صاحب محو حیرت اسے دیکھتے رہے پھر جلدی سے پلٹ کر اپنے بیٹے سے کہا۔

میں نے زندگی بھر میں کسی سائل کو ایسے مسائل کے بارے میں پوچھتے ہوئے نہیں دیکھا۔تم اس عورت کا پیچھا کرو اور معلوم کرو کہ یہ کون ہیں۔اپنے والد کی بات سن کر عبداللہ کو اچنبھا ہوا کیونکہ ان کے والد بزرگوار نے کبھی کسی کی ٹوہ لگانے کی کوشش نہیں کی تھی۔اس لیے اس کی حیرت بجا تھی، باپ کے حکم پر عبداللہ اس عورت کے پیچھے روانہ ہوا اور کافی دیر بعد وہ تھکا ماندہ لوٹ کر آیا اور باپ کی خدمت میں حاضر ہوا جو بے چینی سے انتظار کر رہا تھا۔بیٹے نے کہا۔

پدر محترم! میں نے اس خاتون کا پیچھا کیا۔یہاں تک کہ وہ آپ کے محبوب خاص بشیر حافیؒ کے گھر میں داخل ہوئیں۔میری معلومات کے مطابق وہ بشیر حافیؒ کی بہن مخہ بنت حارثؒ

Marfat.com

تھیں۔

یہ سن کر امام صاحب کی تشفی ہوئی اور فرمایا! یقیناً تم ٹھیک کہتے ہو۔ بشیر حافیؒ کی بہن کے سوا کوئی اور ایسی پاک مبارک اور محتاط ہستی نہیں ہو سکتی۔

حضرت مخہ بنت حارثؒ اپنی نماز، روزہ، قیام اور عبادت کے ساتھ انتہائی عفیفۃ النفس تھیں۔ کسی سے کوئی چیز قبول نہیں کرتی تھیں۔ اس نے بھائی بشیر حافیؒ کی تعلیم و تربیت پر خصوصی توجہ دی تھی۔ انہوں نے اپنے بھائی کی اس قدر دل جمعی اور یکسوئی سے تربیت کی کہ شاید کسی بہن نے ابھی تک کی ہو۔ اس کو اپنے بھائی سے بڑی محبت تھی، ہر وقت اس کے زہد و تقویٰ کو بڑھاتی، اس قدر جس کے بڑے بڑے زاہد بھی طاقت نہیں رکھتے تھے۔ امام احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں کہ بشیر حافیؒ خود بھی فرماتے ہیں کہ میں نے اپنی بہن مخہؒ سے زہد سیکھا ہے۔ وہ میرے اوپر محنت کرتی تھیں اور میری نگرانی کرتی تھیں خاص کر کھانے پینے کی چیزوں میں بہت محتاط رہا کرتی تھیں اور مجھے سختی سے تاکید کرتی کہ میں بازار یا باہر یا کسی دوسرے گھر کی کوئی چیز نہ کھاؤں نہ پیوں اور نہ استعمال کروں۔ حضرت بشیر حافیؒ کی شخصیت پر حضرۃ مخہ کا بڑا اثر تھا اور ان کی محنت شاقہ کا نتیجہ تھا کہ بشیر حافیؒ اپنے زمانے کے تمام زاہدوں اور متقیوں میں سب سے آگے تھا۔

حضرت بشیر حافیؒ کی دو بہنیں اور بھی تھیں۔ حضرۃ مضغہ اور حضرۃ زبدۃ۔ مضغہ سب سے بڑی بہن تھی۔ زبدۃ کی کنیت اُم علی تھا اور یہ بھی بہت زاہدہ، عابدہ اور متقیہ تھیں۔ ان کے کئی اقوال تذکروں میں درج ہیں۔ گناہ اور توبہ کی انہوں نے بہت خوبصورت انداز میں یوں وضاحت کی ہے۔

> ''انسان کے لیے سب سے بھاری چیز گناہ ہے اور سب سے ہلکی چیز توبہ ہے۔ اس لیے یہ مشکل نہیں کہ بھاری چیز کو ہلکی چیز سے دور کیا جائے''۔

زہد، علم، تقویٰ اور پارسائی میں ان تین بہنوں نے جو مقام بنایا، اس کی نظیر پورے تاریخ

Marfat.com

تصوف میں نہیں ملتی۔ لیکن ان بہنوں میں حضرت مخہؒ کو یہ انفرادیت اور اعزاز حاصل ہے کہ انہوں نے بشیر حافیؒ کی تعلیم و تربیت اور نگہداشت کر کے ان کو ایک بے مثال شخصیت بنانے میں انتہائی اہم کردار بھی ادا کیا تھا۔

حضرۃ مخہؒ اکثر امام احمد بن حنبلؒ کی مجالس وعظ و نصیحت میں شرکت فرمایا کرتی تھیں۔ کچھ عرصہ بعد آپؒ کو پھر ایک مشکل پیش آئی اور آپؒ نے امام صاحب سے پوچھا: ابو عبداللہ! میری کل پونجی دو دانق ہے۔ جن سے روئی خرید کر میں کاتتی ہوں۔ اور نصف درہم میں فروخت کر کے ایک دانق میں ہفتہ بھر کام چلاتی ہوں اور ایک دانق سے آئندہ ہفتے کے لیے روئی خریدتی ہوں۔ کل رات میں سوت کات رہی تھی کہ پہرے دار مشعل لیے گزر رہے تھے۔ ان کی مشعلوں کی روشنی میں میں نے دو طاقے سوت کات لیے۔ میں سمجھتی ہوں کہ اس بارے میں اللہ تعالیٰ مجھ سے سوال کرے گا کیونکہ وہ سوت اب میں نے بیچ دیئے ہیں، آپ میری نجات کی صورت بتائیں۔ تو امام صاحب نے ان سے فرمایا، ''تم دونوں دانق کو خیرات کر کے اللہ کے نام پر کسی ضرورت مند کو دے دو۔ اللہ تعالیٰ اس کے عوض تمہارے لیے کوئی اور صورت پیدا کرے گا''۔

ان کے جانے کے بعد امام صاحب نے اپنے بیٹے عبداللہ سے کہا۔

پدر بزرگوار محترم! آپ نے اس عورت کے راس المال کو صدقہ کرنے کا حکم دیا؟

امام صاحب نے فرمایا: ہاں اس عورت کا سوال تاویل کی گنجائش نہیں رکھتا تھا۔ اس لیے اس کا حکم دیا۔ مگر میں نے اس عورت کو پہچانا نہیں کہ یہ کون تھی۔

تو عبداللہ نے ادب سے کہا، والد بزرگوار! یہ وہی محترم خاتون تھیں، جس نے اس سے قبل آپ سے سوت کے بارے میں پوچھا تھا۔ یہ حضرت بشیر حافیؒ کی بہن حضرت مخہؒ بی بی تھیں۔

تو امام صاحب نے فرمایا: بیٹے آپ نے ٹھیک کہا۔ یہ تقویٰ وہیں سے آیا ہے۔

حضرۃ مخہؒ بنت حارثؒ تیسری صدی ہجری کے شروع میں انتقال فرما گئیں۔ بعض نے لکھا ہے کہ حضرت مخہؒ نے بشیر حافیؒ کے بعد 230 ہجری میں وفات پائی مگر بعض نے لکھا ہے کہ آپؒ

بشیر حافیؒ کی زندگی ہی میں 226 ہجری سے قبل فوت ہو گئی تھیں۔

مثالی مائیں تو بے شمار گزری ہیں لیکن مثالی بہن شاید ہی مخہ بنت حارثؒ سے بڑھ کر کوئی گزری ہو۔

☆

Marfat.com

حضرۃ سیدہ نفیسہ بنت حسنؒ

خواتین اولیاء میں حضرۃ سیدہ نفیسہؒ کو ایک خاص مقام حاصل ہے۔ مختلف کتب اور تذکروں میں آپؒ کے بڑے مناقب اور فضائل بیان ہوئے ہیں۔ حسب نسب میں آپ نجیب الطرفین تھیں اور انتہائی معزز اور محترم خاندان سے تعلق تھا۔ رشتے میں حضرت علیؓ آپ کے پردادا تھے۔ امام حسنؓ آپ کے دادا تھے جبکہ دوسری طرف حضرت امام حسینؓ آپ کے نانا ٹھہرتے ہیں۔ آپ نے 148 ہجری میں مکہ مکرمہ میں جنم لیا تھا۔

آپؒ کے والد اپنے وقت کے انتہائی معزز، نیک، صالح، سخی، زاہد و عابد انسان تھے۔ گھر کا ماحول انتہائی پاکیزہ اور ایمان افروز تھا۔ آپ کے والد حسن بن زیدؒ کو اللہ تعالیٰ نے علم معرفت اور علم ظاہری دونوں سے نوازا تھا۔ بنی ہاشم جملہ امور میں آپ سے رجوع کرتے تھے۔ آپ کا شمار تبع تابعین میں ہوتا ہے۔

عباسی خلیفہ ابو منصور کے عہد میں آپؒ پورے پانچ سال مدینہ منورہ کے عامل رہے۔ مگر آپ کی مقبولیت اور عوام میں اثر و رسوخ سے خلیفہ کو ان سے خدشہ محسوس ہونے لگا جس کی وجہ سے انہوں نے آپ کا تمام مال و جائیداد نہ صرف ضبط کیا بلکہ آپ کو بغداد بلوا کر قید بھی کر دیا اس وقت حضرۃ نفیسہؒ کی عمر بمشکل دس سال تھی کہ ان کا گھر بار سب کچھ لٹ گیا۔ مگر جب 158 ہجری میں خلیفہ ابو منصور نے وفات پائی اور مہدی خلیفہ بنے تو اس نے نہ صرف آپ کو رہا کر دیا بلکہ ضبط شدہ مال و دولت بھی واپس کر دیا اور بطور مشیر اپنے ساتھ بھی رکھا۔ 168ھ میں جب آپ خلیفہ کے ہمراہ حج کے ارادے سے بغداد سے نکلے تو مدینہ کے نزدیک مقام "حاجر"

Marfat.com

میں داعی اجل کو لبیک کہا۔

والد کی رحلت کے وقت آپؒ کی عمر 20 سال تھی۔ آپؒ نے اپنے والد کی زیرنگرانی عبادت، ریاضت اور سلوک کی تمام منازل طے کرچکی تھیں۔ والد کی وفات سے آپؒ کو انتہائی شدید رنج اور دلی صدمے سے دوچار ہونا پڑا کیونکہ وہ صرف والد نہ تھے بلکہ ایک شفیق استاد اور شیخ بھی تھے۔ جس نے قدم قدم پر آپ کی رہنمائی کی تھی۔ والد کی وفات سے دل گرفتہ ہو کر آپ نے خلوت نشینی اختیار کی اور خود کو مکمل طور پر عبادت و ریاضت کے لیے وقف کر دیا۔

عبادت و ریاضت میں آپ کو خاص لطف ملتا تھا۔ جذبہ خوف کا آپ پر غلبہ تھا اس لیے کثرت گریہ سے آنکھیں سرخ رہا کرتی تھیں۔ قیام الیل پر سختی سے عمل پیرا تھیں اور صبح اذان فجر تک تہجد میں مشغول رہتی تھیں جبکہ دن کو روزہ رکھتی تھیں تین دن میں صرف ایک بار کھانا تناول فرماتی تھیں، کھانے سے بے رغبتی کا سبب یہ خوف تھا کہ کہیں اس میں حرام کی ملاوٹ نہ ہو۔

زینت بنت منوج کہتی ہیں کہ میں نے چالیس سال اپنی پھوپھی نفیسہؒ کی خدمت کی ہے۔ لیکن ان چالیس سالوں میں میں نے ان کو کبھی کسی رات کو سوتے ہوئے نہیں دیکھا نہ کبھی دن کو کچھ کھاتے پیتے دیکھا ہے، ایک بار میں نے ان سے کہا: پھوپھی جان! تم اپنے آپ پر رحم کیوں نہیں کرتی؟ تمہارے نفس کا بھی تم پر حق ہے، تو فرمایا: میں کیسے اپنے نفس پر رحم کروں۔ میرے سامنے بہت سی گھاٹیاں ہیں جس کو کامیاب ہونے والے ہی پار کر سکتے ہیں۔

تلاوت قرآن پاک سے آپؒ کو خاص انس تھا۔ اس قدر پابندی اور کثرت سے تلاوت کیا کرتی تھیں کہ حافظ قرآن بن گئیں۔ اس کے بعد آپ کا دل حصول علوم قرآن کی طرف راغب ہوا تو اس میں بھی وہ کمال حاصل ہوا کہ بڑے بڑے علماء آپ سے فیض حاصل کرنے لگے۔ تفسیر قرآن اس کے معانی کے اسرار و رموز اور علم حدیث پر دسترس کا یہ حال تھا کہ امام شافعیؒ جیسی عظیم شخصیت نے بھی آپ سے استفادہ کیا۔

آپؒ فرمایا کرتی تھیں کہ قرآن اور اس کے احکامات پر عمل کرنے کی دوسروں کے نسبت

Marfat.com

اہل بیت پر زیادہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کیونکہ قرآن مجید ہمارے دادا پر نازل ہوا ہے۔

اطاعت واخلاق کے بارے میں فرماتی ہیں "اطاعت ایمان کا دل ہے اور عبادت اس کا جسم ہے۔ زہد اس کی چادر ہے، صدق اس کی صحبت ہے اخلاق اس کی تروتازگی ہے، برائی کرنے والے سے درگزر کرنا مومن کے لیے بہت بہتر ہے۔ چونکہ آپ پر خوف کا غلبہ طاری ہوتا تھا۔ اس لیے فرمایا کرتی تھیں اس کے لیے ہلاکت ہے جو اپنے رب کا نافرمان ہوتا ہے۔ اس کے ذکر سے اعراض برتتا ہے اور اپنے نفس کی خواہشات کی تقلید اور پیروی کرتا ہے۔

علوم قرآن اور احادیث میں ادراک حاصل کرنے کے بعد آپؒ مدینہ سے واپس بغداد لوٹ آئیں مگر اب یہاں آپ کا جی نہیں لگا بلکہ آپ کا دل مکے مدینے میں اٹکا رہتا تھا۔ اس لیے آپؒ باقاعدگی سے ہر سال حج پر جایا کرتی تھیں۔ فریضہ حج سے انتہائی شغف کا یہ حال تھا کہ آپؒ نے اپنی زندگی میں تیس حج کیے۔ آپؒ جب بھی حج کے لیے آتیں تو بیت اللہ کے پردوں سے لپٹ کر زاروقطار روتی اور کہتیں:

"یا الٰہی! مجھے دنیا سے صحیح نفع اٹھانے کی توفیق عطا فرما، مجھے اپنی رضا اور خوشنودی سے نوازنا، مجھ پر اپنا خصوصی فضل و کرم کرنا۔ میری عبادت قبول فرمانا۔ میری عاقبت سنوارنا"۔

باوجود اس قدر علمی مصروفیت، عبادت و ریاضت کے آپؒ ایک خوشگوار ازدواجی زندگی بھی گزار رہی تھیں۔ جوان ہونے کے بعد آپؒ کی شادی آپ کے اپنے چچازاد بیٹے اسحاق بن جعفر سے ہوئی جو موتمن کے لقب سے مشہور تھے اور ایک برگزیدہ ہستی گزرے ہیں۔ ان سے آپ کے دو بچے پیدا ہوئے جس میں ایک لڑکا قاسم جبکہ دوسری بچی کا نام اُم کلثوم ہے۔

آپؒ کے گھر میں مال و دولت کی کوئی کمی نہ تھی اس لیے آپؒ ہمیشہ غریبوں اور فقراء پر دل کھول کر خرچ کیا کرتی تھیں۔ بے شمار بیمار اپاہج اور نادار گھرانوں کے چولھے آپ کے دم سے گرم تھے۔

مدینہ سے محبت کے سبب آپؒ نے بغداد کی سکونت ترک کی اور طویل عرصے تک مدینہ

Marfat.com

میں مقیم رہیں مگر اپنی وفاتؒ سے سات سال قبل آپؒ نے مدینہ سے نکل کر مصر میں رہائش اختیار کر لی۔ اس وقت آپؒ کی عمر مبارک 56 برس تھی اور تقریباً سات برس تک مصر میں مقیم رہنے کے بعد 208 ہجری میں وہاں وفات پائی۔

حضرت نفیسہؒ جب ترک سکونت کر کے مدینہ منورہ سے مصر آئی تو اہل مصر نے آپ کا نہایت والہانہ پرتپاک انداز میں استقبال کیا اور بے شمار لوگوں نے آپ کو اپنا مہمان بنانا چاہا مگر آپ نے وہاں صرف جمال الدین عبداللہ بن حصاص کا مہمان بننا منظور کیا جو مصر کے نہ صرف بڑے تاجر تھے بلکہ اپنے زہد و تقویٰ میں بھی بلند مقام رکھتے تھے۔ بہت جلد پورے مصر میں آپ کی آمد کا شہرہ پھیل گیا اور لوگ جوق در جوق آپ کے دیدار اور زیارت کے لیے آنے لگے یہاں تک کہ مکان تنگ پڑ گیا۔ چند مہینے قیام کے بعد آپ نے اپنے لیے ایک علیحدہ مکان چاہا تو امیر مصر السری نے ایک بڑی حویلی آپ کی نذر کی جس میں آپؒ نے بقیہ زندگی آرام سے بسر کی۔

مصر میں آپؒ نے دعوت دین کا فریضہ نہایت خوش اسلوبی سے سرانجام دیا اور بے شمار غیر مسلم آپ کے دست مبارک پر مشرف بہ اسلام ہوئے۔ اس نئی حویلی میں بھی عموماً لوگوں کا اس قدر اژدھام ہوتا تھا کہ راستے بند ہو جاتے اور مکان اپنی وسعت کے باوجود تنگ محسوس ہوتا تھا اور آپؒ کی عبادت اور ریاضت میں بھی خلل آنا شروع ہوا۔ جس کی وجہ سے آپ نے مصر سے رخت سفر باندھنا چاہا مگر اہل مصر راستے کی دیوار بنے تو آپؒ نے اس شرط پر وہاں رہنا قبول کیا کہ لوگ صرف ہفتہ اور بدھ کو ان کے ہاں آئیں گے اور باقی ایام میں وہ اپنی عبادت و ریاضت میں مشغول ہوں گی اور کوئی انہیں زحمت ملاقات نہیں دے گا۔ مصر میں آپ کی قدر و منزلت کا اندازہ اس امر سے لگایا جا سکتا ہے کہ جب 199 ہجری میں امام شافعیؒ مصر تشریف لائے تو وہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپؒ سے حدیث کا سماع کیا اور پھر دعا کے لیے گزارش کی اور جب انہوں نے وفات پائی تو ان کا جنازہ سیدہ نفیسہؒ کے گھر لایا گیا اور آپؒ نے اپنے گھر میں ان کی نماز جنازہ پڑھی۔

Marfat.com

آپؒ کا مکان چونکہ مرجع خلائق تھا۔ اس لیے دور دراز کے مسافروں کی سہولت کے لیے اُم سلطان سیف الدین ابو بکر بن ایوب نے وہاں ایک مسافر خانہ بنوایا اور ملک ناصر محمد بن قلادون نے اس کے قریب ایک جامع مسجد بنوائی۔

مصر میں طویل عرصہ تک رہنے کے بعد آپؒ نے واپس حجاز مقدس جانے کا ارادہ کیا تو اہل مصر کو یہ بات بڑی شاق گزری، انہوں نے اپنی پیار محبت اور اخلاص کی زنجیریں آپ کے پیروں میں پہنائیں اور خود امیر مصر السری آپؒ کے در پر حاضر ہوا اور مصر میں قیام کی استدعا کی جس کی وجہ سے آپ کو مجبوراً اپنا ارادہ ترک کرنا پڑا۔

مصر میں قیام کے دوران کئی بیماریوں نے آپؒ کی صحت کو بری طرح متاثر کیا اور بڑھاپا ویسے خود بھی اُم الامراض ہوتا ہے۔ جب آپ کی بیماری نے زور پکڑا تو آپؒ نے اپنے شوہر کو اطلاع دی جو اس وقت مدینہ میں تھے۔ خود آپؒ کو بھی اندازہ ہو چکا تھا کہ اب دم واپسیں ہے۔ اس لیے آپؒ نے اپنے گھر کے اندر ایک کونے میں اپنے لیے قبر تیار کی اور یہ وطیرہ بنایا کہ روزانہ اس میں بیٹھ کر اذکار کرتی رہتی اور قرآن مجید کی تلاوت فرمایا کرتی تھیں۔ کہا جاتا ہے کہ آپؒ نے اپنی اس قبر میں ایک سو نوے مرتبہ ختم قرآن کیا تھا۔

حضرۃ سیدہ نفیسہؒ نے ماہ رمضان المبارک میں داعی اجل کو لبیک کہا، جب آپؒ کی حالت کافی خراب ہوئی اور آخری وقت قریب آیا تو عزیزوں، رشتہ داروں نے زور دیا کہ آپؒ روزہ افطار کر لیں۔ لیکن آپ مسلسل انکار کرتی رہیں جب لوگوں کا اصرار بڑھا تو آپؒ نے کہا، تعجب ہے۔ میں گزشتہ تیس سالوں سے روزہ رکھ کر اللہ تعالیٰ سے دعا مانگتی رہی کہ اے اللہ میری موت روزے کی حالت میں ہو اور اب جب ان کا بلاوا آ رہا ہے تو تم لوگ کہتے ہو کہ روزہ کھولوں، اس کے ساتھ آپؒ نے تلاوت قرآن پاک شروع کی اور آپؒ کی روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی۔

آپؒ کی جدائی کا دن اہل مصر کے لیے بہت بھاری تھا۔ ہر گھر میں صف ماتم بچھی ہوئی نظر آ رہی تھی۔ آپؒ کے شوہر نے چاہا کہ آپ کی میت کو لے جا کر جنت البقیع میں دفنا دے مگر

اہل مصر نے آپؒ کے شوہر سے کہا کہ تم جو کچھ چاہتے ہو، جس قدر مال و زر درکار ہو، تم کہو ہم دینے کو تیار ہیں مگر سیدہ کو یہاں مصر میں مدفون ہونے دو۔ مگر وہ متردد تھا کہ ان کی آنکھ لگی اور رسول اکرمؐ خواب میں نظر آئے اور ارشاد فرمایا کہ اہل مصر سے کوئی چیز نہ لینا اور نفیسہؒ کو مصر ہی میں دفنا دینا۔ جس کی وجہ سے آپ نے حامی بھر لی۔

آپؒ کی نماز جنازہ پر اتنا جم غفیر تھا کہ اس کی مثال نہیں ملتی۔ آپ کی تاریخ وفات کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ آپؒ نے امام شافعیؒ کی رحلت کے چار سال بعد وفات پائی۔

وفات کے بعد اہل مصر نے حسب عادت آپؒ کی مزار پر ایک شاندار مقبرہ تعمیر کیا اور بعد وفات بھی بڑی کثرت سے لوگ آپؒ کی زیارت کے لیے آیا کرتے تھے۔ ابن بطوطہ نے اپنے سفر نامہ میں ان کی زیارت کا حال قلمبند کیا ہے۔

علامہ نابلسی فرماتے ہیں کہ نفیسہؒ کی قبر پر بڑی ہیبت اور نور ہے۔ جو اطراف سے آنے والوں کی زیارت گاہ ہے۔ علامہ ابن خلکان نے ''وفیات الاعیان'' اور امام ذہبی نے اپنی کتاب ''سیر اعلام لنباء'' میں لکھا ہے کہ سیدہ نفیسہؒ نیک صالحہ اور عابدہ تھیں ان کی مزار پر مانگی ہوئی دعا قبول ہوتی ہے۔

☆

Marfat.com

حضرۃ بنت شاہ شجاعؒ

شاہ کرمان کی سواری اس وقت ایک فقیر کی کٹیا کے سامنے کھڑی تھی، اہل شہر کے لیے اگر چہ اس پر کوئی تعجب نہ تھا مگر اجنبی لوگوں کے لیے یہ بڑی اچنبھے کی بات تھی کہ ایک بادشاہ اپنی والدہ کے ہمراہ کیوں اس فقیر کی کٹیا پر آیا ہوا ہے۔ مگر جاننے والے جانتے تھے کہ یہ بادشاہ اور اس سے قبل اس کے بادشاہ کے والد بھی اپنی شاہی سواری پر اس در پر آیا کرتے تھے۔ آنے والا اگر سلطنت کرمان کا بادشاہ تھا تو کٹیا اس مرد فقیر کی تھی جو دلوں کا بادشاہ تھا، جو شاہ شجاع (وفات 270ھ) کے نام سے معروف تھا جس کی عظمت و برتری کا اعتراف حضرت ابو حفصؒ نے ان الفاظ میں کیا ہے کہ میں جس کو عبا میں تلاش کرتا رہا اس کو قبا میں پایا۔

شاہ شجاع پہلے حقیقی معنوں میں شہنشاہ تھے۔ کرمان کے تاج و تخت اور سیاہ و سفید کے مالک تھے۔ بے شمار نوکر چاکر خدام اور غلام ہر وقت آگے پیچھے ہاتھ باندھے آپ کے چشم و ابرو کے منتظر رہتے تھے۔ مال و دولت عیش و عشرت کے ساماں کی فراوانی تھی مگر ایک بے کلی تھی، بے قراری تھی جس نے آپ کو اضطراب میں مبتلا کیے رکھا تھا۔ وہ چین و سکون اور عافیت عدم پتہ تھی جس کی آپ کو تلاش تھی۔ ایک دن آپ سیرۃ النبی کا مطالعہ فرما رہے تھے کہ ایک صفحے پر آپ ٹھٹک گئے۔ رسول اکرمؐ نے فقر کو غنا پر کیوں ترجیح دی اور درویشی کو کیوں اپنایا؟

ایک دن رسول اکرمؐ ایک کھری چارپائی پر آرام فرما رہے تھے۔ جسم اطہر پر بانوں کے نشانات نظر آ رہے تھے۔ گھر میں کوئی مال و متاع نہ تھا صرف ایک مٹھی جو اور ایک خشک مشکیزہ لٹکا ہوا تھا۔ گھر کی یہ کل کائنات، یہ فقر دیکھ کر حضرت عمر فاروقؓ رو پڑے تو آپؐ نے سبب

Marfat.com

دریافت فرمایا۔ تو انہوں نے عرض کیا، یارسول اللہ! اس سے بڑھ کر رونے کا اور کیا موقع اور مقام ہوگا کہ قیصر و کسریٰ تو باغ و بہار کے مزے لوٹتے پھریں اور آپ ایک پیغمبر ہو کر اس حالت میں۔ آپ نے ارشاد فرمایا: اے عمرؓ! کیا تم اس پر راضی نہیں کہ قیصر و کسریٰ دنیا کے مزے لوٹیں اور ہم آخرت کی سعادت کے۔ یہ پڑھنا تھا کہ آپ اسی وقت منزل مقصود پر پہنچ گئے۔ گوہر مراد ہاتھ آیا۔ آپ جس کی وجہ سے اتنے عرصے سے پریشان و سرگرداں تھے اس کا حل آپ کو مل گیا۔ آپ نے حتمی فیصلے پر پہنچنے میں دیر نہ کی۔ آپ نے تمام وزراء، زعماء، عزیزوں، رشتہ داروں اور درباریوں کو جمع کیا اور کہا:

''یہ دنیا، یہ تاج و تخت یہ مال و دولت، یہ شان و شوکت یہ جاہ و جلال یہ سب کچھ چند روزہ ہے۔ اس میں فلاح نہیں، نجات نہیں۔ جو شخص یہ چاہتا ہے کہ وہ آگ اور پانی کو ایک جگہ جمع کر کے رکھے اس کا عقل خام ہے۔ جس طرح ایک نیام میں دو تلواریں سما نہیں سکتیں۔ اسی طرح ایک دل میں خدا اور دنیا کی محبت بھی ایک جگہ نہیں رہ سکتی۔ اس لیے میں نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ آج سے میں تخت شاہی سے دستبردار ہونے کا اعلان کرتا ہوں۔ میں یہ بار گراں مزید نہیں اٹھا سکتا۔ میں اس بوجھ کا اب مزید متحمل نہیں ہو سکتا، آج میں اس بوجھ سے سبکدوش ہوتا ہوں۔ آپ اس بوجھ کو اٹھانے کے لیے خود کسی موزوں آدمی کا انتخاب کریں''۔

بادشاہ کا یہ غیر متوقع عجیب و غریب اعلان سن کر سب حاضرین بھونچکا رہ گئے۔ کچھ دیر تو حیرت کے مارے دربار میں مکمل سکوت اور سناٹا رہا پھر سب نے یک زبان ہو کر کہا، نہیں، ہمیں یہ منظور نہیں، یہ نہیں ہو سکتا ہم آپ کی طرح عادل نیک خصلت اور خوف خدا رکھنے والے شخص کو کہیں جانے دیں۔ مگر شاہ شجاع نے جو فیصلہ کیا تھا وہ حتمی تھا۔ وہ چٹان کی طرح اپنے موقف پر ڈٹے رہے۔ بعض خیر خواہوں نے بھاگ کر ملکہ عالیہ کو مطلع کیا اور چاہا کہ بادشاہ کو ملکہ کے ذریعہ مجبور کیا جا سکے مگر وہ تو شاہ سے بھی پہلے فنا کی منزلوں سے گزر چکی تھی۔ آخر تمام عزیز رشتہ دار، وزرا، زعماء، امراء اور درباری تھک ہار کر بیٹھ گئے۔ تب شاہ شجاع کے چھوٹے بھائی کے سر پر تاج شاہی رکھا گیا اور آپ نے محل سے کوچ کے لیے رخت سفر باندھا۔ نئے بادشاہ اور دیگر

Marfat.com

عزیزوں، رشتہ داروں نے ہر چند چاہا کہ تاج شاہی سے دستبرداری کا مطلب یہ نہیں کہ آپ شاہی محل بھی چھوڑ کر چلے جائیں مگر آپ نے کہا کہ محل کی آرام و آسائش میں رہ کر کیا یہ ممکن نہیں کہ حب دنیا پھر سے دل میں انگڑائی نہ لے گا۔ اس لیے آپ اپنی زوجہ اور بچوں سمیت شاہی محل سے نکل کر کرمان کی نواح میں ایک کٹیا میں رہنے لگے۔ اگرچہ آپ نے شاہی محل سے ناطہ توڑا مگر شاہی خاندان نے کبھی آپ کو نہیں بھلایا اور ہفتہ میں ایک بار شاہ کرمان ضرور آپ کے سلام کے لیے کٹیا پر حاضری دیتا تھا۔

بادشاہ کے وصال کے بعد ان کا بیٹا تاج وتخت کا وارث بنا اور تاج شاہی ان کے سر پر رکھا گیا تو اس نے بھی اپنے چچا سے رشتہ قرابت استوار رکھا اور اپنے والد کی طرح باقاعدگی سے اپنے چچا کے حضور میں نہایت سعادت مندی سے حاضر ہوتا رہا۔ ان کے دل میں اپنے چچا کے لیے بہت ہی زیادہ محبت وعقیدت تھی اور آج وہ اس رشتے کو مزید مضبوط اور مستحکم کرنے کے لیے اپنی والدہ اور سابقہ ملکہ کے ساتھ آیا تھا۔ سابقہ ملکہ اور شاہ شجاعؒ کی دیورانی نے کہا۔

بھائی جان! آپ کا بھتیجا جوان ہے اور اب خیر سے تاج شاہی بھی ان کے سر پر ہے مگر تاحال ہم نے ان کی نسبت طے نہیں کی ہے۔ اب ہم اس سلسلے میں آئے ہیں۔

اپنی بیوہ دیورانی اور سابقہ ملکہ کی بات سن کر شاہ شجاعؒ نے کہا:

”اچھی بات ہے، آپ کو اس فرض سے بھی سبکدوش ہونا چاہیے کیونکہ یہ ایک لازمی فرض ہے جو کہ والدین کے ذمے ہوتا ہے۔ تاہم بادشاہ کے لیے ایسا رشتہ چاہیے جو کہ ان کے لیے موزوں ہو اور ان کے برابر کا ہو۔

ہاں بھائی جان! آپ نے ٹھیک فرمایا۔ میں اس لیے یہاں حاضر ہوئی تھی۔ میری نظروں میں ایک لڑکی ہے جو کہ میرے خیال میں سب سے بڑھ کر موزوں ہے۔

وہ لڑکی کون ہے؟ جو ہمارے دیورانی کی نظروں میں ہے۔ شاہ شجاعؒ نے پوچھا۔

وہ آپ کی دختر نیک اختر! ملکہ نے مسکرا کر امید بھری نظروں سے اُسے دیکھا، یہ سن کر شاہ شجاعؒ ایک لمحے کے لیے دم بخود رہ گیا۔ وہ تاج وتخت تو چھوڑ چکا تھا اور اب وہ پھر اس کے

دروازے پر دستک دے رہا تھا۔ کیا یہ پھر کوئی نئی آزمائش تو نہیں۔ اس میں کوئی بات خلاف حقیقت نہ تھی کہ لڑکی لاکھوں میں ایک تھی۔ اُن کی رنگت خوب اور عادات و اطوار لاجواب تھے۔ اطاعت، بندگی اور پرہیزگاری اس کا زیور تھا۔ خاندان کے لحاظ سے بھی دونوں ایک برابر تھے مگر ایک طرف شاہی محل تھا اور دوسری طرف ایک فقیر کی جھونپڑی، مخمل میں ٹاٹ کا پیوند؟ بے ساختہ شاہ شجاعؒ کے منہ سے نکلا۔

یہ آپ کیا فرما رہے ہیں بھائی صاحب! میرے شوہر اور بیٹے کا یہ تاج بھی تو آپ ہی کا عنایت کردہ ہے۔ آپ کی بیٹی میری بیٹی ہے۔ وہ محل میں راج کرے گی۔ وہ ہیرے کا نگینہ ہے۔ ان کا اصل مقام شاہی محل میں ہے۔ وہی اس کی مناسب جگہ ہے۔ سابقہ ملکہ نے اور بھی بہت سی باتیں کیں مگر شاہ شجاعؒ خاموش اور متذبذب بیٹھا رہا۔ آخر ملکہ نے کہا: بس بھائی صاحب! آپ ہاں کہہ دیں۔

مگر شاہ شجاعؒ نے دھیمے لہجے میں کہا: دیورانی صاحبہ! میں فوری طور پر اپنی طرف سے یہ فیصلہ نہیں کرسکتا۔ کیونکہ میری لڑکی جوان، عاقل اور بالغ ہے۔ ان سے بھی پوچھنا ہوگا۔ آپ برا نہ مانیں تو ہمیں سوچنے کے لیے چند دن کی مہلت دیں''۔

آخر تین دن کی مہلت پر بات ٹلی۔ تین دن کے اندر جو بات لڑکی کو منظور ہوگی وہی سب کو قابل قبول ہوگا۔ ان کے رخصت ہونے کے بعد میاں بیوی کافی متفکر تھے۔ ان کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ ملکہ اور بادشاہ کو کیا جواب دیں۔ آخر کافی سوچ بچار کے بعد انہوں نے بیٹی سے رجوع کرنے کا فیصلہ کیا اور ساری بات اسے بتائی۔ لڑکی کچھ دیر خاموش رہی اور پھر نہایت ادب سے بولی: ابوجان جس چیز کو آپ نے اپنے لیے پسند نہیں فرمایا، جس کو آپ نے ٹھکرایا۔ اب میرے لیے وہی چیز آپ کیوں پسند فرمائیں گے۔ میں بھی آپ کی بیٹی ہوں۔ آپ کے نقش قدم پر چلنا میں اپنے لیے باعث سعادت سمجھتی ہوں۔

بیٹی کا جواب سن کر شاہ شجاعؒ کا قلب بہت مسرور ہوا۔ اپنی بیٹی سے انہیں یہی توقع تھی کیونکہ اس نے ان کی تربیت اس نہج پر کی تھی کہ مال و زر ان کی نظروں میں جچ سکتی تھی نہ شان و

Marfat.com

شوکت اس کی آنکھوں کو خیرہ کرسکتی تھی۔ مگر اب اسے نئی فکر لاحق ہوئی کہ تیسرے دن اگر سابقہ ملکہ اور بادشاہ آئیں تو انکار کریں تو کیسے کریں اور کیوں کر کریں۔ وہ اسی شش و پنج میں تھا کہ ان کی نظر ایک نوجوان پر ٹکیں جو مسجد میں باقاعدگی سے نماز ادا کرنے کے لیے آتا تھا۔ جس کی زہد و تقویٰ اور پرہیز گاری کسی سے چھپی نہ تھی۔ آپ نے اس نوجوان کو نماز پڑھنے کے بعد ایک طرف تنہائی میں لے جا کر کہا:

نوجوان کیا شادی کرو گے؟

نوجوان نے دھیمی مسکراہٹ سے کہا: جناب میں ایک فقیر اور درویش منش انسان ہوں۔ مال و متاع میرے پاس نہیں، مجھ جیسے فقیر کو کون اپنی بیٹی دے گا۔

یہ سن کر آپ نے کہا، میں دوں گا۔ شاہ شجاعؒ کا جواب سن کر وہ جوان ہکا بکا رہ گیا۔ آپ ۔۔۔۔شاہ۔۔۔ شجاعؒ۔۔۔۔ اس نوجوان نے بمشکل ہکلا کر کہا۔

ہاں! میں شاہ شجاعؒ اپنی بیٹی کا ہاتھ آپ کے ہاتھ میں دوں گا۔

بزرگ محترم میں اس رشتے کا متحمل نہیں ہوسکتا۔ آپ کی بیٹی محل میں پلی بڑی ہے۔ بادشاہ کی پالکی آپ کے دروازے پر رکتی ہے اور میں خالی ہاتھ تہہ دامن ایک فقیر مگر شاہ شجاعؒ نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر اسے دلاسا دیتے ہوئے کہا: مجھے آپ جیسا متوکل اور یقین محکم والا بندہ چاہیے۔ مجھے دنیاوی جاہ و جلال کی چنداں ضرورت نہیں۔

مگر بزرگ محترم آپ کی بیٹی۔۔۔ آپ اپنی بیٹی سے بھی تو پوچھ لیجئے۔ نوجوان نے کہا۔

''ہاں یہ بات تو نے انصاف کی کہی'' شاہ شجاعؒ نے کہا۔

گھر آ کر آپ نے اپنی بیٹی سے کہا: بیٹی تین دن کے بعد میری دیورانی آئے گی وہ آپ کو محل کی ملکہ بنانے پر تلی ہوئی ہے۔ مگر میں نے جو چیز اپنے لیے پسند نہیں کی وہ آپ کے لیے بھی مجھے گوارا نہیں۔ میری نظروں میں ایک غریب مگر زہد و تقویٰ کا پیکر ایک یقین محکم والا نوجوان ہے اگر آپ کو منظور ہو تو میں آپ کا عقد ان سے کرلوں۔

بیٹی نے باپ کے انتخاب کو قبول کرلیا اور یوں اسی دن نکاح پڑھوا دیا گیا اور رخصتی عمل

Marfat.com

میں آئی اور بنت شاہ شجاعؒ محل کی بجائے ایک غریب درویش کے گھر کی زینت بنی۔ گھر خالی ڈنڈار تھا۔ سر وسامان کے نام کی کوئی چیز گھر میں نہ تھی گھر کی خستہ حالت بتا رہی تھی کہ نوجوان تنہا اس گھر میں رہتا ہے۔ آخر دلہن سے نہ رہا گیا اور اس نے پوچھا: آپ تنہا اس گھر میں رہتے ہیں؟

میں ایک غریب شخص ہوں۔ میرے آگے پیچھے کوئی نہیں۔ اس لیے میں تنہا اس جھونپڑے نما مکان میں رہتا ہوں۔

دلہن نے اٹھ کر گھر کا جائزہ لیا۔ دلہا چور نظروں سے اسے دیکھتا رہا۔ ایک کونے میں نصف روٹی اور گھڑے میں پانی نظر آیا جو اس مرد فقیر کے گھر کی کل متاع تھی۔ یہ آدھی روٹی اور گھڑے میں پانی کس لیے ہے؟ دلہن نے پوچھا۔

نوجوان نے آہستہ سے کہا: آج میں نے دو روٹیاں خریدی تھیں ایک روٹی آج کھائی ہے جبکہ دوسری کل کے لیے بچا رکھی ہے اور یہ پانی بھی اسی لیے ہے۔

آپ مجھے واپس میرے والدین کے گھر بھیج دیں۔ دلہن نے بیزاری سے کہا۔

یہ سن کر نوجوان کی رنگت زرد پڑ گئی اور وہ خفت بھرے لہجے میں کہنے لگا: ''مجھے اس بات کا خدشہ تھا کہ یہی ہوگا۔ آپ شہزادی ہیں۔ آپ نے محل میں نازونعم میں پرورش پائی ہے۔ بادشاہ بھی آپ کے لیے پیغام دے چکا ہے مگر اس کے باوجود تیرے والد صاحب نے آپ کا نکاح مجھ سے پڑھوایا جبکہ میری حالت زاران سے ڈھکی چھپی نہ تھی۔ مگر وہ بتا رہا تھا کہ میری بیٹی بہت متقی اور پرہیز گار ہے۔ اس لیے میں ان کی باتوں میں آ گیا حالانکہ مجھے پہلے سے اس بات کا انجام معلوم تھا۔

کس بات کا انجام؟ دلہن نے پوچھا۔

یہی کہ آپ غریب مفلوک الحال شخص کے ساتھ خوش نہیں رہ سکیں گی۔ نوجوان نے اداس لہجے میں کہا۔ تو بنت شاہ شجاعؒ نے ان کی بات کو رد کرتے ہوئے کہا:

میرے متعلق یہ آپ کی غلط فہمی ہے۔ بلکہ میں تو اپنے والد سے یہ پوچھنے کے لیے جا رہی

Marfat.com

ہوں کہ اس نے شادی سے قبل مجھ سے کہا تھا کہ میں تیری شادی ایک بہت پاکباز، انتہائی متقی اور از حد درجہ متوکل نوجوان سے کروا رہا ہوں۔ کہ ان جیسا عفیف نوجوان میری نظروں میں کوئی اور نہیں، لیکن میں اس بات پر حیران ہو رہی ہوں کہ انہوں نے ایسے نوجوان کو کیوں عفیف سمجھ رکھا ہے جو اللہ پر بھروسہ نہیں رکھتا جو آنے والے کل کیلئے روٹی کا انتظام کرتا ہو۔

یہ سن کر نوجوان کافی خجل اور شرمندہ ہوا۔ اس نے ندامت سے سر جھکا کر کہا۔ آپ کے والد صاحب نے جو کچھ فرمایا تھا وہ بالکل درست فرمایا تھا۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ اگر اللہ نے چاہا تو آئندہ آپ کو اس قسم کی شکایت کا موقع نہ ملے گا۔

دلہن نے قطعی لہجے میں کہا: میں کچھ نہیں جانتی۔ آپ جو چاہے کریں لیکن میں ایسے گھر میں نہیں رہ سکتی جہاں کل کی فکر کی جا رہی ہو۔ اس گھر میں یا تو میں رہوں گی یا پھر یہ روٹی۔ اب فیصلہ آپ کو کرنا ہے۔

دلہا نے دلہن کی بات سن کر کہا: روٹی۔۔۔ کل کی فکر۔۔۔ یہ واقعی متوکل کی شان کے خلاف ہے۔ جس نے پیدا کیا ہے رزق بھی وہ دے گا۔ دلہا نے اسی وقت وہ روٹی اللہ کے نام پر کسی غریب کو دی تو بنت شاہ شجاعؒ نے اطمینان کا سانس لیا۔ اور دونوں میاں بیوی نے ایسی متوکلانہ شان میں زندگی گزاری کہ بڑے بڑے متوکلین بھی اس پر رشک کرتے رہے۔

-☆-

Marfat.com

حضرۃ اُم الخیر فاطمہؒ

ایک سید نوجوان دنیا و مافیہا سے بے خبر دریا کے کنارے ذکر واذکار میں مصروف تھا۔ دور ونزدیک کوئی بندہ بشر دکھائی نہیں دیتا جو اس کی تنہائی میں مخل ہوتا اس لیے وہ پوری یکسوئی سے یادالٰہی میں مستغرق تھا۔ اس کی زبان پر اللہ تعالیٰ کی کبریائی کا ورد جاری تھا وہ سامنے دریا پر نظریں جمائے ہوئے تھا کہ اچانک ان کی نظر ایک سیب پر پڑی جو دریا کی لہروں پر ہلکورے لیتا ہوا ان کے قریب آیا اور پھر ایک موج نے اس کو ان کے سامنے یوں پھینک دیا جیسے کوئی کھانے کے لیے بے تکلفی سے پیش کر رہا ہو۔ وہ نوجوان کئی دن فاقوں سے تھا۔ اس لیے اس نے اس سیب کو غیب سے رزق سمجھ کر اٹھایا اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کر کے کھالیا۔ سیب بے حد خستہ لذیذ اور بابرکت تھا۔ سیب کھانے سے اس کی بھوک تو ختم ہوئی لیکن دل میں اچانک وسوسے اور اندیشے سر ابھارنے لگے کہ یہ سیب تو کسی اور کی ملکیت معلوم ہوتا ہے۔ جس کو میں نے بغیر اجازت کے کھا لیا جو رزق حرام کے زمرے میں آتا ہے۔ رزق حرام کا خیال آتے ہی وہ نوجوان مضطرب ہو کر اپنی جگہ سے اُٹھا۔ اب اس کا ذہنی شیرازہ بکھر چکا تھا۔ ذکر واذکار اور عبادت میں وہ سرور اور لطف نہ رہا جس کا وہ پہلے سے عادی تھا۔ اس ذہنی کشمکش اور اضطراب میں وہ نوجوان بے اختیار پانی کے بہاؤ کے اوپر چلنے لگا اور ساتھ ہی ساتھ دل میں خدا سے التجا کرنے لگا کہ سیب کا مالک مل جائے اور ان سے معافی مانگ لے تاکہ رزق حرام یا مشکوک کا اضطراب دل سے رفع ہو جائے اور وہ پہلے کی طرح یکسو ہو کر پھر یادالٰہی میں مشغول ہو جائے۔ آخر کافی مسافت طے کرنے کے بعد وہ سیبوں کے ایک باغ کے پاس پہنچا جو کہ دریا کے کنارے واقع تھا۔ درختوں

Marfat.com

کی ٹہنیوں پر بڑے تروتازہ خوبصورت سیب لگے تھے جو دریا کی سطحوں پر اٹکھیلیاں کرتے ہوئے نظر آرہے تھے۔ وہ نوجوان باغ میں داخل ہوا، باغ کے ایک کونے میں چند مزدور اکٹھے کام کر رہے تھے اور ایک سفید پوش بزرگ ان کے قریب کھڑا نگرانی کر رہا تھا۔ وہ نوجوان قرینے سے سمجھ گیا کہ وہ باغ کا مالک ہے پھر بھی انہوں نے سلام کے بعد احترام سے پوچھا: ''میں باغ کے مالک سے ملنا چاہتا ہوں''۔

میں ہی باغ کا مالک ہوں نوجوان! فرمایئے، سفید پوش بزرگ نے کہا۔ یہ سن کر نوجوان نے اطمینان کا سانس لیا اور قدرے پرسکون ہوا اور کہنے لگا، میں دریا کے کنارے بیٹھا ہوا تھا کہ پانی میں ایک سیب بہتا ہوا میرے پاس آیا۔ جس کو میں نے اٹھا کر کھالیا۔ میرے خیال میں مجھے بغیر اجازت کے ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا۔ جس کی وجہ سے میں کافی مضطرب ہوں۔ اس سیب کے بدلے آپ جو معاوضہ چاہیں، میں دینے کو تیار ہوں۔

باغ کا مالک سید عبداللہ صومعیؒ تھا۔ جو اپنے عہد کا مشہور صوفی اور صاحب کرامت بزرگ تھا جس کا شجرہ نسب تیرھویں پشت میں حضرت امام حسینؓ سے ملتا تھا۔ وہ اس نوجوان کی پارسائی کو دیکھ کر دنگ رہ گیا۔ پھر بھی انہوں نے اس نوجوان کو پرکھنے اور مزید جانچنے اور آزمانے کا فیصلہ کیا۔

''ہوں'' نوجوان! تم نے ہمارے باغ کا سیب بغیر اجازت کے کھایا ہے، اب تم مجھ سے معاملہ طے کرنے آئے ہو۔

نوجوان نے اثبات میں سر ہلایا تو بزرگ نے فرمایا: اگر تم حقیقی معنوں میں مجھ سے معافی طلب کرنے آئے ہو تو پھر میری دو شرطیں ہیں۔ اس کو پورا کرلو۔ بصورت دیگر تم جاسکتے ہو، لیکن آخرت میں میرے مقروض ہوں گے۔

میں دنیا کا معاملہ دنیا میں چکانا چاہتا ہوں۔ آپ اپنی شرائط بتائیں۔ نوجوان نے پرعزم لہجے میں کہا۔

میری شرائط اگرچہ آپ کو نامعقول، خودغرضی پر مبنی معلوم ہوں گی، مگر پھر بھی آپ سوچ

لیں۔

بزرگ محترم آپ اپنی شرائط بیان کریں، نوجوان نے انکساری سے کہا۔

میری پہلی شرط یہ ہے کہ آپ پورا ایک مہینہ میرے باغ کی سینچائی کریں۔ دوسری شرط میں اس کے بعد بیان کروں گا بشرطیکہ اگر میں آپ کے کام سے مطمئن ہوا۔

پہلی شرط سن کر نوجوان کچھ کہے بغیر اسی وقت کام میں جت گیا اور مہینہ بھر انتہائی لگن اور دلجمعی سے نہ صرف باغ کی سینچائی کرتا رہا بلکہ اس کے ساتھ باغ کی جھاڑ جھنکار بھی کرتا رہا۔ جبکہ دوسرے مزدور عموماً بے دلی سے کام کرتے تھے۔ موقع ملنے پر سیب چوری کرنے سے بھی نہیں چوکتے تھے۔ مگر آپ نے صرف اپنے کام سے کام رکھا اور فارغ اوقات میں اللہ سے لو لگائے رکھی۔ عبداللہ صومعیؒ نظروں ہی نظروں میں مہینہ بھر اس نوجوان کو تولتا جانچتا اور پرکھتا رہا اور ان کی زہد و تقویٰ پر متعجب ہوتا رہا۔ آخر جب مہینہ پورا ہوا تو وہ نوجوان عبداللہ موصعیؒ کی خدمت میں پیش ہوا۔

بزرگ محترم! وعدے کے مطابق میں نے مقدور بھر کوشش کی ہے۔ اُمید ہے آپ میرے کام سے مطمئن ہوں گے۔ اگر آپ مطمئن ہیں تو دوسری شرط پیش کیجئے۔

عبداللہ صومعیؒ نے اقرار میں سر ہلایا اور اپنی دوسری شرط بیان کرنے سے قبل پوچھا: نوجوان تمہارا نام کیا ہے۔ اور کس علاقے سے تعلق رکھتے ہو۔

بزرگ محترم: میرا نام سید ابو صالح ہے۔ سادات خاندان سے تعلق ہے۔ آبائی وطن ایران کا ایک قصبہ جیلان ہے۔

بزرگ نے طمانیت بھری سانس لی اور پھر نہایت سرد لہجے میں کہا: میری دوسری شرط پہلی شرط کے بہ نسبت بہت کڑوی ہے۔

وہ کیا؟ آپ بتائیں بزرگ محترم۔۔۔

''وہ یہ کہ میری ایک جوان لڑکی ہے۔ جو پیدائشی بدصورت ہے۔ بعد میں گردش حالات نے اسے اپاہج اور اندھی بھی بنا دیا ہے۔ مجھے کوئی ایسا شخص نہیں ملتا جس سے اس کا نکاح پڑھوا

دوں۔ تمہیں اس سے شادی کرنی ہوگی اگر تم میری اس شرط کو تسلیم کرلو تو ٹھیک ہے پھر میں تمہیں معاف کیئے دیتا ہوں لیکن اگر آپ کو یہ منظور نہیں تو پھر میرا اور تیرا حساب یوم الحساب کو ہوگا''۔

بوڑھے بزرگ کی دوسری شرط سن کر نوجوان ہڑبڑا گیا۔ وہ کچھ دیر ہکا بکا پھٹی پھٹی نظروں سے بزرگ کو دیکھتا رہا اور دل ہی دل میں اپنی قسمت کی ستم ظریفی پر غور کرتا رہا۔ بوڑھا بزرگ بے نیاز کھڑا باغ میں کارندوں کو دیکھ رہا تھا۔ اس دوسری شرط نے اس نوجوان کو کافی تذبذب میں ڈال دیا تھا۔ اس نے کبھی سوچا بھی نہ تھا کہ اسے صرف ایک سیب کے بدلے اتنی خجل و خواری اٹھانا پڑے گی۔ وہ اسی وقت جا سکتا تھا مگر وہ اللہ سے لو لگا چکا تھا سب کچھ خدا کی راہ میں تج چکا تھا مگر پھر بھی وہ ایک انسان تھا اس نے چاہا کہ انکار کردے کیونکہ ایک سیب کی پہلے ہی وہ بہت قیمت ادا کر چکا تھا مگر اتنی بھاری قیمت، اس کا تصور بھی ان کے لیے محال تھا۔ مگر پھر یہ سوچ کر یہ بھی خدا کی طرف سے ایک آزمائش ہوگی یہ خیال آتے ہی اس کے ڈگمگاتے قدم سنبھل گئے اور انہوں نے پرسکون لہجے میں کہا: مجھے آپ کی یہ شرط منظور ہے۔ اللہ تعالیٰ سے میری دعا ہے کہ وہ مجھے اس آزمائش میں سرخرو کردے۔

نوجوان کے منہ سے ہاں منظور ہے سن تو بوڑھے بزرگ کی خوشی کی انتہا نہ رہی، کیونکہ وہ ایک عرصے سے اپنی اس بیٹی کے لیے کسی مناسب بر کی تلاش میں تھا۔ بوڑھے نے اسی وقت نکاح پڑھوایا اور بیٹی کو حجلہ عروسی میں بھیج دیا مگر جب اس نوجوان نے حجلہ عروسی میں قدم رکھا تو ششدر رہ گیا۔ کیونکہ حجلہ عروسی میں بیٹھی دلہن اس لڑکی سے بالکل مختلف تھی جس کا حلیہ بوڑھے بزرگ نے بیان کیا تھا۔ نوجوان سراسیمہ ہو کر واپس پلٹا اور بزرگ سے کہنے لگا:

بزرگ محترم! حجلہ عروسی میں جو لڑکی آئی ہے وہ اس لڑکی سے بالکل مختلف ہے جس کا حلیہ آپ نے بیان کیا ہے۔

بزرگ نے مسکرا کر پدرانہ اور شفیق لہجے میں کہا، بیٹے وہ میری اکلوتی اولاد اور تیری بیوی ہے۔ تو امتحان میں کامیاب ٹھہرا اور اللہ تعالیٰ آزمائش میں پورا اترنے والوں کو اسی طرح نوازتا ہے۔

Marfat.com

''مگر بزرگ محترم آپ نے غلط بیانی سے کیوں کام لیا؟'' نوجوان نے پوچھا! بیٹے میں نے غلط بیانی سے کوئی کام نہیں لیا۔ بلکہ جو کچھ کہا ہے صحیح کہا ہے۔ میں نے کہا تھا کہ میری بیٹی بدصورت ہے تو سن لو کہ اس کے چہرے پر دنیا داری کا غازہ نہیں، دنیاوی رنگوں اور لباس سے آراستہ نہیں اور اس طرح لڑکیوں کو معاشرے میں عموماً بدصورت سمجھا جاتا ہے۔ میں نے کہا تھا کہ وہ اندھی ہے تو وہ اس لیے کہ ابھی تک کسی نامحرم کے سامنے نہیں آئی ہے اور آئندہ کے لیے بھی اس کی آنکھیں انشاءاللہ نامحرم کے لیے بے نور رہیں گی۔ میں نے کہا تھا کہ وہ اپاہج ہے تو وہ اس طرح کہ آج تک اس کے قدم کفر و گناہ کے کوچے کی طرف نہیں اٹھے۔ اب تم خود کہو کیا میں نے غلط بیانی سے کام لیا تھا۔

نوجوان بوڑھے کی بات سن کر خاموش ہی رہا اور پھر ان کے قدم حجلہ عروسی کی طرف اٹھنے لگے جہاں وہ دلہن بیٹھی تھی۔ جس کی آنکھیں روشن، چہرہ پرنور جس پر انوار کی کثرت تھی۔ متناسب دست و پا اور دوشیزگی کا وہ تقدس جو کسی حور سے کم نظر نہیں آ رہی تھی۔ اس دلہن کا نام بی بی فاطمہ تھا۔ جسے تاریخ نے اُمت الجبار کے لقب سے نوازا اور اس کی کنیت اُم الخیر اس کی پہچان بنی۔

☆ ☆ ☆

میاں بیوی دونوں عابد و زاہد تھے۔ گھر میں رزق حلال کا خاص اہتمام تھا ازدواجی زندگی بھرپور خوشگوار تھی لیکن اگر کسی چیز کی کمی تھی تو وہ نعمت اولاد تھی۔ آخر جب ان کی عمریں ڈھل گئیں جوانی سے نکل کر بڑھاپے نے آ لپٹا تو ساٹھ برس کی عمر میں اُم الخیر کے بطن سے 470 ہجری میں ایک بچے نے جنم لیا۔ جس کا نام والدین نے عبدالقادر رکھا۔ وہ مبارک والدین کا مبارک بچہ تھا۔ جس نے رمضان المبارک میں جنم لیا جس کے آثار پیدائش کے ساتھ ہی انتہائی مبارک تھے پورے رمضان المبارک کے دوران اس نومولود بچے نے دن کو ماں کی چھاتی سے منہ نہیں لگایا اور جلد ہی دور دراز علاقوں تک یہ بات پھیلی کہ سادات کے بی بی فاطمہؓ کی گود میں جنم لینے والا بچہ اپنے والدین کی طرح اتنا مبارک ہے کہ رمضان المبارک میں دن کے وقت دودھ نہیں پیتا ہے۔ دوسرے سال گھرے بادل ہونے کی وجہ سے رمضان المبارک کا چاند نظر نہیں آیا۔

Marfat.com

لوگ شبہ میں پڑ گئے۔ صبح لوگوں نے فاطمہ بی بیؒ سے دریافت فرمایا کہ آپ کے خیال میں آج روزہ ہے یا نہیں۔ تو آپ نے فرمایا۔ آج میرے عبدالقادر نے خلاف عادت صبح کے وقت دودھ نہیں لیا ہے۔ اس لیے میں سمجھتی ہوں کہ آج رمضان المبارک کا پہلا روزہ ہے۔ چند دن بعد معتبر شہادتوں سے بی بی فاطمہؒ کی بات کی تصدیق ہوگئی کیونکہ دوسرے شہروں میں رمضان المبارک کا چاند دیکھا گیا تھا۔

زندگی خوشگوار اور پرسکون تھی۔ ننھے عبدالقادر کی ہمک اور پیار سے ان کا آنگن پررونق تھا۔ مالی، بدنی اور کسی قسم کی پریشانی اور تنگ دستی کا نام تک نہ تھا۔ کہ اچانک بی بی فاطمہؒ کو ایک گہرے صدمے سے دوچار ہونا پڑا۔ ان کا ہنستا بستا گھرانہ اجڑ گیا۔ ننھے عبدالقادر کی عمر بمشکل پانچ سال تھی کہ وہ سایہ پدری سے محروم ہو گئے اور عمر کے اس آخری حصے میں بی بی فاطمہؒ کو اپنے شوہر کے سہارے سے محروم ہونا پڑا۔ یہ وہ زمانہ تھا جب ایران پر سلجوقیہ خاندان کی حکومت تھی اور اس وقت اس خاندان کا تیسرا بادشاہ سلطان معزالدین ابوالفتح ملک شاہ ابن الپ ارسلان حکمران تھا۔

بی بی فاطمہؒ نے اس صدمہ جاں کاہ کو استقامت سے برداشت کیا۔ بوڑھے عبداللہ صومعیؒ کے لیے بھی یہ افتاد کسی قیامت سے کم نہ تھی کیونکہ اب وہ عمر کے اس حصہ میں تھا جہاں کسی وقت بھی بلاوا آ سکتا تھا۔ اب بوڑھے نانا اور بی بی فاطمہؒ نے معصوم عبدالقادر کو اپنی تمناؤں کا مرکز جانا اور ان کی تعلیم و تربیت کرنے لگے۔ شیخ عبدالقادر جیلانیؒ بچپن ہی سے بہت ذہین اور حساس تھے۔ کھیل کود میں وقت ضائع کرنے کے بجائے انہوں نے ماں کی خواہشات کا پورا احترام کیا اور نہایت کم عمری میں تمام اہم کتب پڑھ لیں اور جب آپ کی عمر اٹھارہ سال تک پہنچی تو پھر دور و نزدیک کوئی ایسی ہستی موجود نہ تھی جو آپ کی علمی تشنگی کا سامان بہم پہنچاتی۔ جب کہ آپ کے دل میں مزید علم حاصل کرنے کی بے حد امنگ تھی۔ آپ کی ماں بھی آپ کی دلی جذبات اور احساسات سے آگہی رکھتی تھیں۔ اماں بی بی فاطمہؒ اس وقت کافی عمر رسیدہ تھیں اور وہ اپنی زندگی کی اٹھترویں برس میں داخل ہو چکی تھیں۔ ایسی عمر میں جب والدین چراغ سحری

Marfat.com

ہوں ان کی سب سے بڑی تمنا اور خواہش اپنی اولاد کی قربت اور ان کی خانہ آبادی ہوتی ہے۔
اگر بی بی فاطمہؒ کی بجائے کوئی اور ماں ہوتی تو شایدؔ وہ کب کے بہوڈھونڈ کر لا چکی ہوتی۔ اور اس عمر میں جب وہ پابہ رکاب ہوں اپنے اکلوتے بیٹے کی جدائی کا سوچنا بھی گوارا نہ کرتی۔ مگر وہ بی بی فاطمہؒ تھیں ان کی جوہر شناس نظروں نے عبدالقادر کو اپنی گود میں پالا پوسا تھا انہیں معلوم تھا کہ قدرت نے اس سے خاص کام لینے ہیں۔ اس لیے انہوں نے نوجوان عبدالقادر کو مزید تعلیم کے لیے بغداد روانہ کیا۔ اکثر تذکرہ نگاروں نے لکھا ہے کہ یہ شیخ عبدالقادر جیلانیؒ اور بی بی فاطمہؒ کی آخری ملاقات تھی کیونکہ حصول تعلیم کی طویل جدائی نے پھر ماں بیٹے کو ملنے کا موقع نہیں دیا اور بی بی فاطمہؒ چند برس کے اندر اندر اپنے خالق حقیقی سے جاملیں، مگر جب تک زندہ رہیں۔ نوجوان عبدالقادرؒ کے لیے باقاعدہ جیب خرچ بغداد بھیجتی رہیں تاکہ حصول علم کے دوران تنگی ترشی آڑے نہ آئے اور وہ اطمینان سے اپنے علم کی تکمیل کر سکے۔ گھر سے روانہ ہوتے وقت بی بی فاطمہؒ نے اپنے نوجوان بیٹے کو چند نصیحتیں کیں اور ان پر عمر بھر سختی سے کاربند رہنے کی تاکید کی۔ رزق حلال اور ہر حال میں سچ بولنے کا عہد ان سے لیا۔

شیخ عبدالقادر جیلانیؒ جس قافلہ میں بغداد جا رہے تھے وہ قافلہ جب ہمدان سے نکل کر ایک سنسان کوہستانی علاقے میں پہنچا تو اچانک ڈاکوؤں نے اس قافلے کو اپنے گھیرے میں لے لیا۔ اہل قافلہ میں قزاقوں سے مقابلے کی سکت نہ تھی اس لیے انہوں نے خوب لوٹ مار مچائی۔ اس تمام ہنگامے کے دوران نوجوان عبدالقادر جس کی ابھی بمشکل مسیں پھوٹ چکی تھیں خاموش کھڑا انسان کی درندگی کا یہ روپ دیکھتا رہا۔ اچانک ایک ڈاکو کی نظر آپ پر بھی پڑی اور انہوں نے ازراہ تفنن آپ سے پوچھا: کیوں لڑکے! آپ کے ساتھ بھی کچھ ہے؟ نوجوان عبدالقادر نے بغیر کسی خوف اور جھجک کے کہا: ہاں میرے پاس چالیس دینار ہیں۔

کہاں ہیں؟ قزاق نے پوچھا۔

تو آپؒ نے فرمایا، میری قبا میں بغل کے نیچے سیے ہوئے ہیں۔ وہ آپؒ کی بات مذاق سمجھ کر آگے بڑھا مگر جب دوسرے قزاق نے پوچھا اور آپؒ نے اسے بھی یہی جواب دیا جس

Marfat.com

پر پہلا قزاق جو قریب کھڑا تھا، ٹھٹکا۔ وہ آپؒ کو اپنے سردار کے پاس لے گئے اور سارا ماجرہ بیان کیا۔ ڈاکوؤں کے سردار کے حکم پر جب آپ کی جامہ تلاشی لی گئی تو واقعی چالیس دینار برآمد ہوئے جسے دیکھ کر رہزن بہت متعجب ہوئے کیونکہ لوگ اپنی نقدی اور زیور بچانے کی کوششوں میں لگے ہوئے تھے اور آپؒ نے اپنا سب کچھ انہیں بتا دیا حالانکہ آپؒ کی ظاہری حالت ایسی تھی کہ انہوں نے آپؒ کو نظر انداز کر دیا تھا۔

لڑکے! تو جھوٹ بول کر اپنے ان دیناروں کو چھپا سکتا تھا، کیونکہ ہمیں ان کے بارے میں بالکل معلوم نہ تھا نہ ہمیں آپؒ کی حالت سے یہ اندازہ ہو رہا تھا کہ آپؒ کے پاس دینار ہیں پھر تو نے ایسا کیوں نہیں کیا؟ ڈاکوؤں کے سردار نے پوچھا۔

گھر سے روانہ ہوتے وقت اپنی اماں نے مجھ سے وعدہ لیا تھا کہ ہمیشہ سچ بولنا اور ہر معاملے کی بنیاد راست بازی پر رکھنا۔ اب میں صرف چالیس دینار کی خاطر اپنی اماں سے کیا ہوا عہد کیسے توڑتا۔

یہ الفاظ نہیں تھے بلکہ حق وصداقت کے ترکش سے نکلے تیر تھے جو بی بی فاطمہؒ کی دعاؤں میں رنگے ہوئے تھے۔ وہ سیدھے ان کے قلوب میں پیوست ہو گئے۔ ان کے قلوب سے شقاوت اور سیاہی پھوٹ بہہ نکلی۔ ان کے قلوب کے سیاہ اندھیرے چھٹ گئے اور نور سے منور ہو گئے۔ اشک ندامت سے آنکھیں بھر آئیں۔ افسوس! اے نوجوان تو نے اپنی ماں سے کیے ہوئے وعدے کا اتنا پاس کیا مگر ہماری سیاہ بختی کہ میں اپنے رب سے کیے ہوئے عہد فراموش کر بیٹھا ہوں۔ ان کے ساتھیوں نے اپنے سردار کو یوں پگھلتے ہوئے دیکھا تو وہ بھی پگھلے اور یک زبان ہو کر کہنے لگے: سردار! تو رہزنی میں ہمارا قائد تھا اور اب توبہ میں بھی ہمارا پیشرو اور سردار ہے۔ سب ڈاکوؤں کی کایا پلٹ گئی۔ اہل قافلہ سے لوٹا ہوا سامان واپس کر دیا گیا اور ان سے معذرت کی گئی۔ وہ ہمیشہ کے لیے اپنے گناہوں سے تائب ہو کر معاشرے کے قابل فخر افراد بن گئے۔

اس واقعہ کو عموماً شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کی پہلی کرامت قرار دیا جاتا ہے۔ لیکن اگر کرامت

Marfat.com

کا دوسرے زاویئے سے جائزہ لیا جائے تو یہ بی بی فاطمہؒ کی کرامت ثابت ہوتی ہے جس نے روانہ ہوتے وقت اپنے بچے سے سچ بولنے اور کہنے کا عہد لیا تھا اور یہ اس عہد پر کاربند رہنے کا ثمرہ تھا جو سب کو مل گیا۔

حضرۃ بی بی فاطمہؒ جب تک زندہ رہی اور ان کے علاقہ سے جب بھی کوئی قافلہ بغداد کے لیے روانہ ہوتا تھا وہ اپنے لخت جگر کے لیے پابندی سے رقم بھیجا کرتی تھیں۔ حضرت شیخ عبدالقادرؒ فرماتے ہیں کہ پہلے پہل جب میں بغداد آیا تو وہاں تین دن تک مجھے کھانے پینے کے لیے کوئی چیز نہیں ملی اور مشتبہ اور حرام رزق کا کھانا مجھے گوارا نہ تھا۔ فاقہ سے میرا برا حال تھا میں رزق حلال کی تلاش میں تھا مگر جیب میں پھوٹی کوڑی تک نہ تھی کہ اچانک اپنے علاقے جیلان کے ایک آدمی سے میری ملاقات ہوئی۔ دیار غیر میں اپنے شہر کے باشندے کو دیکھ کر مجھے عجیب سی خوشی کا احساس ہوا۔ کچھ دیر گفتگو کے بعد جب وہ جانے لگا تو انہوں نے سونے کا ایک ٹکڑا دیتے ہوئے کہا کہ تمہاری جیب خرچ کیلئے یہ آپؒ کی والدہ نے دیا ہے۔ جس کو لے کر میں نے اپنی کئی ضروریات پورا کیں اور کئی درویشوں کے کام بھی آیا۔

ایک اور جگہ فرماتے ہیں کہ ایک بار میں بھوک کی شدت سے بہت بے حال تھا مگر کسی کے آگے ہاتھ پھیلانا میری خودداری کے منافی تھا۔ اس دوران بھوک کے مارے میں اتنا نڈھال ہوا کہ چلنے پھرنے کی طاقت نہ رہی اور میں ایک مسجد میں بے دم ہو کر بیٹھ گیا۔ اس وقت مسجد میں ایک ایرانی نوجوان گرم گرم روٹیاں اور تازہ بھنا ہوا گوشت لے کر آ گیا۔ گرم گرم روٹیوں اور بھنے ہوئے گوشت کی اشتہا انگیز خوشبو سے میری بھوک مزید چمک اٹھی مگر میں نے ضبط کرتے ہوئے اس نوجوان کی طرف سے کروٹ بدلی۔ وہ نوجوان اٹھ کر میرے پاس آیا اور بہت اصرار سے مجھے اپنے ساتھ شریک طعام کر لیا۔ لقمہ اٹھا کر میں نے نوجوان سے پوچھا کہ آپ کہاں سے تشریف لائے ہیں تو اس نے کہا کہ میں جیلان سے آیا ہوں۔ جیلان کا نام سن کر میں بہت خوش ہوا کہ اپنے شہر کا بھائی ہے۔ میں نے بھی کہا کہ میں بھی جیلان کا رہنے والا ہوں۔ اس پر نوجوان نے مجھ سے پوچھا، کیا آپ بغداد میں جیلان کے ایک نوجوان طالب علم

Marfat.com

عبدالقادر سے واقف ہیں؟ اس پر میں نے کہا کہ میں ہی وہ عبدالقادر ہوں۔

یہ سن کر اس نوجوان کا رنگ فق ہو گیا اور ندامت بھرے لہجے میں کہنے لگا: مجھے معاف کیجئے۔ میں نے آپؒ کی امانت میں خیانت کی ہے۔ جب میں جیلان سے بغداد کے لیے روانہ ہو رہا تھا تو آپ کی والدہ صاحبہ نے مجھے آپؒ کے لیے آٹھ دینار دیئے تھے۔ یہاں پہنچ کر میں نے کئی دن آپ کو تلاش کیا مگر آپؒ ملے نہیں اس دوران میرا اندوختہ ختم ہوا تو میں نے آپؒ کے دیناروں میں سے ایک دینار کا خیانت کر کے اپنے لیے یہ کھانے پینے کا انتظام کیا۔ یہ کھانا آپؒ کے دینار سے خریدا گیا ہے۔ یہ سن کر میں نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا کہ اس نے مجھے اس شدید فاقہ کش آزمائش میں کسی غیر کا شرمندہ احسان نہیں کیا۔ آپؒ نے ان سات دیناروں میں سے چند ایک اپنے ساتھ رکھ لیے اور بقیہ اس نوجوان کو دیئے تا کہ وہ خالی ہاتھ نہ رہے۔

ان واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ بی بی فاطمہؒ نے اپنے لخت جگر کا کتنا خیال رکھا اور ٹھیک اسی وقت ان کی مالی اعانت پہنچ جاتی جب شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کو اس کی اشد ضرورت ہوتی تھی۔ آپ کی بصیرت افروز نگاہوں سے ان کے جوہر چھپے نہ تھے۔ اس لیے آخری دم تک ماں کی توجہ آپ کی ذات پر مرکوز رہی تو دوسری طرف آپؒ نے بھی سعادت مند بیٹے کی طرح اپنی والدہ کا مان رکھا اور ذی الحجہ 496ھ تک آپ نے علم قرات، علم تفسیر، تفہیم احادیث، فقہ، کلام، لغت، شعر و ادب، صرف و نحو، مناظرہ تاریخ اور علم النساب کی تکمیل کی جبکہ اس وقت آپؒ کی عمر صرف 26 سال تھی۔ اس کے بعد آپؒ نے کوچہ تصوف میں قدم رکھا اور بہت جلد علوم لدنی میں بھی انتہائے کمال تک پہنچ گئے۔ یہ بی بی فاطمہؒ کی تعلیم و تربیت اور زہد و تقویٰ تھی ان کی پارسائی پاکبازی اور دعاؤں کا اعجاز تھا کہ وہ رنگ لائیں اور شیخ عبدالقادر جیلانیؒ جملہ اولیائے کرام کے سردار ٹھہرے اور غوث اعظمؒ کے لقب سے ملقب ہوئے۔

-☆-

حضرۃ اُم محمدؒ

آپؒ کا اصل نام سیدہ عائشہؒ تھا مگر اپنی کنیت اُم محمدؒ سے مشہور ہیں۔ صالحات اور عابدات میں آپ قابل رشک مقام و مرتبہ کی مالکہ تھیں صاحب کرامت ولیہ تھیں اور درجہ ولایت پر فائز تھیں۔

آپؒ صحیح النسب سیدہ تھیں۔ والدہ کی طرف سے آپ کا سلسلہ نسب گیارہویں پشت پر حضرت سیدنا امام حسنؓ سے ملتا ہے۔ آپؒ کے بھائی سید ابو صالح بھی مشہور عابد و زاہد تھے۔ جو کہ شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کے پدر بزرگوار تھے۔ اس حوالے سے آپؒ شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کی پھوپھی بھی ہیں۔ بالالفاظ دیگر گیلان کا یہ پورا گھرانہ ایک جداگانہ فقیرانہ شان لیے ہوئے تھا۔

ایک دفعہ گیلان میں سخت قحط پڑ گیا۔ خشک سالی کے سبب لوگ دانے دانے اور بوند بوند پانی کے لیے تڑپنے اور ترسنے لگے۔ کئی بار لوگوں نے نماز استسقاء پڑھی اور کافی خشوع وخضوع سے پڑھی لیکن بارش تو دور کی بات ہے آسمان پر بادل تک نہ آئے۔ آخر ایک مردم شناس کے کہنے پر لوگوں نے آپؒ کے گھر کے قریب کھلے میدان میں نماز استسقاء پڑھی اور اس کے بعد لوگ آپؒ کی مکان کے دروازے پر جمع ہوئے اور بارش کے لیے طالب دعا ہوئے۔ اس وقت آپ اپنے گھر کے صحن میں جھاڑو دینے سے بمشکل فارغ ہوئی تھیں۔ لوگوں کی گزارش سنی تو ملتجی نظروں سے اوپر دیکھا، دونوں ہاتھ دعا کے لیے بارگاہ خداوندی میں اٹھائے اور رقت بھرے لہجے میں فرمانے لگیں:

اے خدا! یہ لوگ قحط کے ستائے ہوئے ہیں۔ دانے دانے کے محتاج ہیں، بوند بوند کے

Marfat.com

طالب ہیں۔ یہ سب میرے گھر کے دروازے پر جمع ہیں، اے خداوند! میری لاج رکھ، میں نے جھاڑو دی، تو اپنی فضل وکرم سے اس پر چھڑکاؤ کر دے۔ ان کے مرجھائے ہوئے چہروں کو پھولوں کی تازگی اور سوکھے لبوں کو شگفتگی بخش دے۔ ابھی آپؒ کی دعا جاری تھی کہ چاروں اطراف سے بادل امڈ آئے اور تھوڑی دیر نہ گزری تھی کہ چھاجوں مینہ برسا گویا مشکیں کھل گئیں اور سب ہنسی خوشی بھیگتے بھگوتے اپنے گھروں کو رخصت ہوئے۔

-☆-

عاشق خدا خاتونؒ

ایک رات حضرت ذوالنون مصریؒ خانہ کعبہ کا طواف کر رہا تھا کہ اچانک ایک نور چمکا اور اس کا تڑکا آسمان تک جا پہنچا۔ جس کو دیکھ کر وہ بے حد متعجب ہوا۔ طواف کعبہ سے فراغت کے بعد وہ مسجد حرام کے ایک گوشہ میں تکیہ لگائے خانہ کعبہ کو تکتا رہا اور اس نور کے بارے میں سوچتا اور غور و فکر کرتا رہا کہ اچانک ایک بے حد سریلی مگر درد بھری آواز ان کے کانوں میں آئی۔ کوئی خاتون بہت رسیلی آواز میں کچھ اشعار پڑھ رہی تھی۔ آواز میں ڈوبی کرب اور سوز نے اس کو اپنی جگہ سے اٹھنے پر مجبور کیا اور وہ آہستہ آہستہ اس جانب بڑھنے لگا جہاں سے دلوں میں اترنے والی یہ صدا آ رہی تھی چلتے چلتے وہ خانہ کعبہ تک جا پہنچا تو اس نے دیکھا کہ ایک نوجواں لڑکی خانہ کعبہ کے پردے تھامے خود میں مگن مترنم آواز میں کہہ رہی ہیں۔ چونکہ رات تھی رش کم تھا۔ اس لیے ذوالنون مصریؒ چپکے سے اس لڑکی کے نزدیک کھڑا ہو گیا اور اس کے نغمہ دل کو سننے لگا۔

اے میرے حبیب! تو خوب جانتا ہے کہ میرا حبیب کون ہے۔
جس کی لاغری اور آنسو، دونوں میرا راز فاش کرتے ہیں لیکن میں نے
اپنی اس محبت کو دنیا و جہاں سے چھپایا، یوں چھپایا کہ اب میرا سینہ شق
ہونے لگا ہے اور میرا دم گھٹنے لگا ہے۔

اس کے ساتھ ہی لڑکی مزید ضبط نہ کر سکی اور سسکیاں بھرنے لگی۔ لڑکی کا ہر شعر حب الٰہی میں ڈوبا ہوا تھا۔ کچھ لہجے کی سوز تھی کچھ الفاظ کی کاٹ تھی۔ کچھ جذبے کا خلوص تھا اور سب سے

بڑھ کر صفائے قلب تھی کہ ذوالنون مصریؒ کو بھی ضبط کا یارہ نہ رہا اور بے اختیار اس کے بھی آنسو پھوٹ بہے مگر وہ خاتون اپنے آپ میں مگن کہہ رہی تھی۔

اے الٰہی! اے میرے مولا! اے رب العالمین

تیری اس محبت کے صدقے جو تجھے مجھ سے ہے

مجھے بخش دے، درگزر فرما دے

مجھے اپنے سایہ عاطفت میں ڈھانپ دے

ذوالنون مصریؒ حیرت سے اس لڑکی کو تکتا رہا اور جب لڑکی یہاں تک پہنچی تب آپ نے اس کی سرزنش کی۔

اے لڑکی! کیا یہ کافی نہیں تھا کہ تم یہ کہتی کہ مجھے اس محبت کے طفیل بخش دے جو مجھے تیرے ساتھ ہے نہ کہ تیری محبت کے صدقہ جو مجھ پر واجب ہے۔ تمہیں کہاں سے معلوم ہوا کہ اس کو تیرے ساتھ محبت ہے؟

لڑکی مدہوشانہ سرمست لہجے میں کہنے لگی:

اے ذوالنونؒ! پرے ہٹ جاؤ۔ کیا تمہیں معلوم نہیں ہے کہ حق تعالیٰ کے بعض بندے ایسے بھی ہیں جو اللہ تعالیٰ سے محبت کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ ان سے محبت فرماتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی محبت ان کے ساتھ پہلے سے ہوتی ہے۔ یہی وہ محبوب بندے ہوتے ہیں۔ کیا تم اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان بھول گئے۔ فسوف یاتی اللہ بقوم یحبھم و یحبونہ (اللہ تعالیٰ عنقریب ایک ایسی قوم کو لائیں گے جن سے اللہ تعالیٰ محبت کریں گے اور وہ اللہ تعالیٰ کے عشق میں سرشار ہوں گے) یہاں اللہ تعالیٰ کی محبت ان کی محبت باللہ سے ہوئی ہے۔

لڑکی کا جواب سن کر ذوالنون مصریؒ سے کوئی جواب بن نہ پڑا تو پوچھا: تمہیں کیسے معلوم ہوا کہ میں ذوالنون ہوں۔

لڑکی نے متبسم لہجے میں کہا: کیسا بچگانہ سوال ہے۔ جب میرے دل نے میدان اسرار میں جولانی کی تو میں نے تجھے اللہ تعالیٰ کی معرفت سے پہچان لیا۔

Marfat.com

کچھ دیر توقف کے بعد حضرت ذوالنون مصریؒ نے کہا:

تم بہت کمزور اور لاغر دکھائی دے رہی ہو۔ کیا تمہیں کوئی بیماری لاحق ہے؟

اس سوال کے جواب میں وہ پھر مدہم پر سوز لہجے میں گویا ہوئی کہ ذوالنون مصریؒ بھی اس کے سحر میں کھو گیا۔

حب الٰہی والے، تو اس جہاں میں بیمار ہی رہتے ہیں
اس کی بیماری بڑھتی ہی جاتی ہے
دوا شفا دینے سے لاچار ہوتی ہے
اس طرح جو اللہ کا محبوب ہوتا ہے
وہ اس کے ذکر میں خود کو اس قدر فراموش کر لیتا ہے
کہ وہ اس کے دیدار سے مشرف ہوتا ہے

اس لڑکی نے اچانک ذوالنون مصریؒ سے کہا: ذوالنون! ذرا پیچھے پلٹ کر دیکھ کہ کون ہے؟

ذوالنون مصریؒ اس کی آواز کی سحر سے نکلا اور انہوں نے پیچھے پلٹ کر مسجد حرام کی مشعلوں کی روشنیوں میں ادھر ادھر دیکھا مگر اسے کوئی خاص چیز نظر نہیں آئی۔ اس نے استفہامیہ طلب نظروں سے لڑکی کی طرف واپس مڑ کر دیکھا تو وہ موجود نہ تھی وہ غائب ہو چکی تھی۔ حضرت ذوالنون مصریؒ نے اس عاشق خدا خاتون کو بہت تلاش کیا مگر وہ پھر کبھی نظر نہ آئی۔ حضرت ذوالنون مصریؒ فرماتے ہیں کہ میں ہمیشہ جب بھی اس گمنام عاشق خدا خاتون کے وسیلے سے دعا مانگتا ہوں تو اس کی برکت سے اس دعا کو شرف قبولیت عطا ہوتا ہے۔

-☆-

Marfat.com

حضرۃ تحفہؒ

وہ ایک سحر انگیز حسین مغنیہ تھی۔ اس کی آواز میں بے حد لوچ اور بلا کا ترنم تھا۔ ان کے نغمے سن کر دلوں کے ساز بج اٹھتے تھے۔ سننے والے مسحور ہو جاتے تھے۔ اس کے پرستار بے شمار تھے۔ خاص کر جب وہ عود کو گود میں لے کر نغمہ سرا ہوتی تو دل والے دل تھام کر رہ جاتے تھے اس کی جادو بھری آواز کو سن کر عشاق مستی میں جھوم اٹھتے تھے۔ اس ساز و آواز کی ساحرہ کا حسن بھی بلا خیز تھا۔ ساز و آواز، نغمے اور حسن کے حسین امتزاج نے اسے حسین فتنہ نغمہ جان بنا دیا تھا۔ مگر اس کے باوجود وہ اپنے جان کی مالک نہ تھی۔ نہ معلوم کیا اسرار ہے کہ ایسے حسین ساحروں پر قدرت مہربان ہو کر بھی نامہرباں ہوتی ہے اور ہمیشہ سے ان کی بولی لگتی ہے۔ جب اس کی بولی لگی تو نوخیز جوانی، ہوش ربا حسن اور نغمہ سرائی کی قیمت بھی اس میں شامل تھی کیونکہ وہ صرف ایک عام کنیز نہ تھی۔ ایک دوراندیش سوداگر نے اس سراپا حسن ساز و آواز کو بیس ہزار درہم میں خریدا۔ اس نیت سے تاکہ اس کی مزید آرائش و زیبائش اور تشہیر کر کے اسے اور مہنگے داموں بیچ دے مگر اس سوداگر کی آرزو دل میں ہی رہی۔ وہ نغمہ جسے سن کر دل تڑپ اٹھتے تھے، مردہ دلوں میں جان پڑتی تھی۔ عاشق بیخود ہو کر وجد میں آتے تھے ایک دن خود اپنے زلف دراز میں الجھی، خود اپنے دام میں زیر دام آ گئی۔ خود اپنے ساز و آواز کے سحر میں گرفتار ہوئی۔ لوگوں کو حیرت زدہ کرنے والی حسینہ خود حیرت زدہ ہوئی۔ دوسروں کے دلوں کو گھائل کرنے والی اپنے آپ کو گھائل کر بیٹھی۔ دوسروں کے دلوں میں عشق کے سوتے جگانے والی کے دل میں خود عشق کا چشمہ یوں پھوٹا، کہ خود سے بیگانہ ہوئی۔ جس دل پہ ناز تھا اب وہ دل نہیں رہا عشاق کے نیاز

کے قابل نہیں رہا۔ اب اسے قرار نہ رہا۔ فراقِ یار میں تسکیں ہو تو کیونکر ہو۔ عود ہاتھ میں لے وہ عالم وجد میں نغمہ سرا تھی:

تیری قسم! میں نے کبھی وعدہ نہیں توڑا
نشۂ عشق میں سرشار دل پہ کبھی آنچ نہ آنے دیا
اس میٹھے میٹھے درد کو اپنے دل و جگر میں بسالیا
مجھے جنون نہیں لیکن
اب مجھے کیونکر قرار آئے
اب مجھے کیونکر آرام آئے
اب کیوں کر دل لگے
اے محبوب!
تیرے سوا! میرا کوئی نہیں
کوئی نہیں، کوئی نہیں
میں تجھے دیکھ رہی ہوں
تو نے مجھے کنیز بنا کر شمع محفل بنا دیا ہے
لیکن! اس بے نیازی کے آگے
میں سرِ تسلیم خم ہوں

نغمہ دل سے اٹھا تھا۔ اس کے اپنے ہی دل پر بجلی بن کر گری۔ عود ہاتھ سے چھوٹ گئی اور وہ ریت کی مُورت کی طرح ڈھے گئی۔

سوداگر منہ دیکھتا رہ گیا۔ اسے اپنا سرمایہ ڈوبتا ہوا نظر آنے لگا، اہل ہوس، عشاق نغمہ و ساز ہونقوں کی طرح منہ اٹھا کر ایک دوسرے کو اور کبھی ان کو دیکھنے لگے اور پھر محفل ویراں ہو گئی۔ انگلیاں مضراب سے نالاں تھیں۔ نغمے نے گریہ کی شکل اختیار کی۔ کچھ نے اس کو ایک ناز و ادا جانا۔ کسی نے نظر کا لگ جانا کہا۔ بعض نے فتنہ حسن بیداد کا کرشمہ سمجھا۔ بعض نے اس کو عشق نہیں

Marfat.com

وحشت جانا۔ کیونکہ اب وہ ''وہ'' نہ رہی جس کا نام خریدنے والوں کے لیے ''تحفہ'' رکھا گیا ہے۔ حسن، جوانی، ساز و آواز کا تحفہ، اب وہ خود سے بیگانہ دامن تر لیے شفاخانہ میں گزشتہ ایک سال سے پڑی تھی۔ جن کے ہاتھوں کے کنگن اور پیروں کے پائل کبھی بج اٹھتے تھے اب اس سے زنجیروں کی چھن چھن کی آوازیں آ رہی تھیں۔ جو کبھی سراپا ناز ہوا کرتی تھی اب ایک وحشت نظر آ رہی تھی۔ سوداگر اس خیال سے اس کا علاج کر رہا تھا کہ کبھی تو اس کا مزاج بحال ہو جائے گا۔ یہ انداز جنوں چھٹ جائے گا۔ پوری قیمت نہ سہی نصف اگر ہاتھ آ جائے تو بھی غنیمت ہے مگر اس کے آثار مفقود تھے۔

☆ ☆ ☆

سری سقطیؒ کو رات بھر نیند نہ آئی۔ ایک عجیب اضطراب و قلق تھا۔ دل چین و سکون سے محروم تھا۔ نامعلوم سی بے قراری تھی جس نے پل بھر کے لیے بھی آرام سے سونے نہ دیا۔ تہجد میں لذت نہ تھی، نوافل میں بھی بڑی بے کیفی تھی، رات آنکھوں میں کٹی، صبح فجر کی نماز پڑھی مگر وہ بھی بے سواد ہی رہی۔ یہ صورت حال کیوں کر ہے، ان سوچوں اور مختلف وسوسوں میں غلطاں گھر سے وہ باہر نکل آئے اور یوں ہی سڑک پر چلتے رہے، اچانک شفاخانے پر نظر پڑی تو قدم خود بخود اس کی طرف اٹھتے چلے گئے جہاں بے شمار مریض پژمردہ خود سے، دنیا و جہاں سے بے زار، اپنوں سے نالاں امید اور ناامیدی کے سایوں میں پڑے تھے۔ اکثر کے لبوں پر شکوے تھے، کوئی چہرہ ہنستا مسکراتا اور بشاش نہ تھا۔ سب کے سب رنجیدہ تھے۔ اس یاس بھری اور عبرت انگیز ماحول کو دیکھ کر سری سقطیؒ کے دل سے بے اختیار کلمات شکر نکلے کہ دل کے ساتھ ان کا جسم بھی عوارض سے محفوظ ہے۔ شفاخانے کا نگراں بہت احترام سے ان کے پیچھے چل رہا تھا اور مختلف مریضوں کا احوال ان کو سنا رہا تھا کہ اچانک سری سقطیؒ کی نظر ایک نوجوان مریضہ پر پڑی جو بڑی تر و تازہ اور صحت مند نظر آ رہی تھی۔ لباس بھی عمدہ اور سلیقہ سے پہنا ہوا تھا اور ان کی معطر گھنی زلفوں کی خوشبوؤں سے پورا کمرہ پھولوں میں بسا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔ مگر اس کی بانہوں میں چوڑیوں کی جگہ زنجیروں کو دیکھ کر وہ ٹھٹکا۔ سری سقطیؒ کو دیکھ کر وہ آہو چشم حسینہ سسک پڑی اور اس کی چشم تر سے آنسو چھلک پڑے۔

Marfat.com

''اس حسینہ کا ذہنی توازن ٹھیک نہیں۔اس کے مالک نے اسے یہاں داخل کرایا ہے تاکہ اس کا علاج ہو سکے۔گزشتہ ایک سال سے زیر علاج ہے۔مگر افاقہ نہیں ہو رہا ہے۔آج کل دورے کی شدت ہے۔شفاخانے کے نگران نے ادب سے کہا''۔

نگران شفاخانہ کی بات سن کر وہ سوختہ جان نغمہ سنج ہوئی۔

اے کم فہم، بے بصیرت
میں آسیب زدہ نہیں
دیوانی نہیں
میں تو عاشق ہوں، مجنوں ہوں
سراپا نغمہ عشق ہوں
میرا دل میرے اختیار میں نہیں
میرے حواس میرے قابو میں نہیں
یہ زنجیریں، میرا علاج نہیں
میں مجرم نہیں
گنہگار نہیں
ہاں میں جرم محبت کی سزاوار ہوں
میں جنوں کی دیوانی ہوں
جس کو تم خلل دماغ سمجھ رہے ہو
یہی تو میرا سرمایہ افتخار ہے
جس پر میں نازاں ہوں
اے کج فہم مسیحا
تجھ پر کوئی الزام نہیں

اس سراپا سوز نغمہ کو جب سری سقطیؒ نے سنا تو وہ تڑپ اٹھا۔وارفتہ خود ہوا۔اس کے آنسو

Marfat.com

اس کا دامن تر کرنے لگے۔ تو اس نے چبھتے لہجے میں کہا:

اے سری! یہ رونا کس بات پر! اگر تو اس کو پورے طور پر پہچان لے تو پھر تیرا کیا حال ہو گا۔

اپنا نام سن کر سری سقطیؒ کو بڑا تعجب ہوا۔ استفہامیہ طلب نظروں سے اس لڑکی کو دیکھا:

تجھے میرا نام کیسے معلوم ہوا؟

ولی می راشناس ولی

سری سقطیؒ کی نبض شناس نظروں نے اس کی مرض کو جان لیا اور فیصلہ کن لہجے میں کہا: تو کہاں جانا چاہتی ہے؟

میں کہاں جا سکتی ہوں۔ میں تو پنجرے میں بند پنچھی ہوں۔ اس بند پنجرے کے کواڑ کھول کر اڑنا میرے لیے محال ہے۔ مگر جب میرا حبیب راضی ہو گا۔ پھر اس پنجرے کا بند کواڑ خود کھولے گا۔ میں اس سے نکل جاؤں گی۔ ورنہ میں اس پر راضی ہوں۔ اس پر شکر گزار ہوں۔

اس وقت اس سوختہ جان کا مالک شفا خانے میں ناشتہ لے کر پہنچا، تحفہ کو سری سقطیؒ کے ساتھ محو کلام دیکھ کر وہ بہت آہستہ اور خاموشی کے ساتھ کمرے میں داخل ہوا، سری سقطیؒ کی نظر ان پر پڑی تو اس نے انتہائی مودب ہو کر سلام پیش کیا اور تعظیماً خاموش کھڑا رہا۔ سری سقطیؒ نے فرمایا:

اے صاحب! میری اتنی تعظیم اور ادب بجالانے کی بجائے اس تعظیم اور ادب کی یہ مستحق ہے۔ انہوں نے مریضہ کی طرف اشارہ کیا جس کو تو نے قید کیا ہے۔

بزرگ محترم! کیا کروں یہ تو میری کل پونجی ہے۔ مگر شاید میرے مقدر ہی خراب تھے کہ اس کو خریدا۔ اس کی باتیں میری سمجھ میں آنے والی نہیں۔ اس کی عقل میں فتور آ چکا ہے۔ نہ کھاتی ہے، نہ پیتی ہے، نہ خود سوتی ہے اور نہ مجھے سونے دیتی ہے۔ دن رات خود سے گنگناتی ہے اور روتی ہے۔ میں اس کو علاج کی غرض سے یہاں لایا ہوں۔ شاید تندرست ہو جائے۔ میرا سرمایہ ڈوبنے سے بچ جائے۔ سوداگر کی بات سن کر تحفہ نے آہ بھری۔

Marfat.com

میں دیوانی نہیں

البتہ مقروض ہوں

حق میرے دل سے مخاطب ہوا

تو اس کی کبریائی کا چشمہ میری زبان سے جاری ہوا

رندہ درگاہ ہونے کے باوجود میں منظور نظر ہوئی

تو میرا دل اس کی محبت سے چھلک اٹھا

میری جفا کاریوں کو بھی ارمغان سمجھا گیا

سری سقطیؒ نے ایک نظر تحفہ کو دیکھا اور پھر سوداگر سے مخاطب ہوا:

تو نے اس کو کتنے درہم میں خریدا ہے؟

سوداگر مایوسانہ لہجے میں کہنے لگا: اے سری! تو درویش ہے آپ کے پاس اتنا زر کہاں ۔۔۔

خدا مسبب الاسباب ہے۔ ...فکر رہئے، اس کی قیمت بتایئے؟ پھر کل بات ہوگی۔ اور جب سری سقطیؒ شفاخانہ سے نکل رہا تھا تو اس کا بے چین، بے قرار، مضطرب دل اطمینان و سکون سے لبریز تھا۔

☆ ☆ ☆

اندھیری شب میں جب ساری خدائی خواب خرگوش کے مزے لے رہی تھی سری سقطیؒ خدا کے آگے سربسجود تھا اور تحفہ کے لیے رہائی کی بھیک مانگ رہا تھا کہ دروازے پر دستک ہوئی۔ رات کے سناٹے میں دستک کی آواز دور تک سنائی دی۔ اللہ اس وقت کون ہوسکتا ہے۔ سری سقطیؒ نے سجدے سے سر اٹھایا اور دروازہ کھولا تو سامنے ایک اجنبی کھڑا تھا جس کے پیچھے کئی مشعل بردار ہاتھوں میں تھیلیاں پکڑے ہوئے تھے، سری سقطیؒ نے سوالیہ نظروں سے ان کی طرف دیکھا تو اجنبی نے کہا:

میں امیر شہر احمد بن المثنیٰ ہوں۔ مجھے ابھی خواب میں حکم ہوا ہے کہ آپؒ کے در پر یہ نذر پیش کروں۔ سو یہ نذر قبول فرمایئے۔ اس کے ساتھ غلاموں نے تھیلیاں آگے کر دیں۔

Marfat.com

صبح سویرے جب سوداگر ناشتہ لیے ہوئے شفاخانے میں داخل ہوا تو سری سقطیؒ نے آگے بڑھ کر کہا: میں رقم لایا ہوں۔ تم اگر دگنا منافع بھی مانگو گے تو میں دوں گا۔

مگر سوداگر کی آنکھیں سوجی اور انداز بدلا ہوا تھا۔ تم اگر ساری دنیا کی دولت بھی دو گے تو میں اس کو نہیں بیچوں گا۔ کل رات خواب میں مجھے وہ ڈانٹ پڑی ہے کہ خود سے بھی شرمندہ ہوں۔ میں اس کو خدا کے لیے آزاد کرتا ہوں۔ تم گواہ رہو۔ نہ صرف اس کو بلکہ اپنے جملہ مال و دولت سے بھی خود کو آزاد کرتا ہوں۔ اس کے پیچھے احمد بن المثنیٰ بھی چشم تر لیے ندامت سے سر جھکائے داخل ہوا۔ وہ بھی حضرۃ تحفہ کی برکت سے دولت ایمان ویقین سے مالا مال ہوا تھا۔ قفس کا در کھولا اور تحفہ ایک آزاد پنچھی کی طرح باہر نکلی اور آنکھوں سے اوجھل ہوئی اور وہ تینوں دیکھتے ہی رہے۔

احمد بن المثنیٰ، سوداگر اور سری سقطیؒ اب تینوں گہرے دوست بن چکے تھے۔ اس لیے اکٹھے ہی فریضہ حج کی ادائیگی کے لیے ایک ساتھ روانہ ہوئے۔ مگر مکہ پہنچنے سے قبل راہ میں احمد بن المثنیٰ نے داعی اجل کو لبیک کہا۔ مکہ پہنچ کر فریضہ حج سے فارغ ہونے کے بعد ایک رات دونوں دوست طواف کر رہے تھے کہ اچانک دل میں اترنے والی ایک پرسوز مترنم آواز سری سقطیؒ نے سنی:

عاشق کے لیے اس جہاں میں قیام جاں کاہی ہے
طویل حیات۔۔۔طویل جاں گسل بیماری
میں اسیر دام محبت ہوں
جس نے مے الفت کے ساغر چڑھائے ہیں
اب میری تشنگی بجھی ہے
اس کے سوا اب مجھے کچھ نظر نہیں آتا
یہ اس شخص کا حال ہے
جو مدعی عشق ہے

Marfat.com

محبوب کی محبت میں حیراں وسرگرداں

قرار تب آئے گا

جب وصال یار ہوگا

یہ نغمہ وارفتہ سن کر سری سقطیؒ جلدی سے آگے بڑھا اور ایک نظر اس خاتون کو دیکھا مگر اس بارعب پرجلال چہرے کو دیکھ کر وہ جلدی سے پیچھے ہٹا۔ تو خاتون نے آواز دی۔

اے سریؒ! یہ بیگانگی کیوں؟

معاف کرنا! میں نے آپ کو پہچانا نہیں۔ سری سقطیؒ نے بمشکل کہا،

میں۔۔۔ میں تحفہ ہوں۔

اے تحفہ!۔۔۔ اس غیر متوقع ملاقات سے اُسے حیرت بھی ہوئی اور خوشی بھی اور پھر شکوے بھرے لہجے میں کہا:

''یوں اچانک جدا ہونے میں۔۔۔ مخلوق خدا سے دور رہنے میں تجھے کیا ملا؟''

''قرب خداوندی، غیر سے وحشت''۔ تحفہ نے مختصر جواب دیا۔

کچھ دیر سکوت کے بعد سری سقطیؒ نے بجھے ہوئے لہجے میں کہا،

تجھے معلوم ہو۔ جب ہم حج کے لیے آرہے تھے تو ابن مثنیٰ راستے میں خالق حقیقی سے جا ملا۔

یہ سن کر تحفہ نے آنکھیں بند کرلیں اور پھر ذرا توقف کے بعد کہا:

وہ تو اس قدر مالا مال ہوا کہ آج تک کسی آنکھ نے دیکھا نہ ہوگا، وہ بہشت میں میرا ہمسایہ ہے۔

اور تیرا وہ سابق آقا جس نے تجھ کو خدا کے واسطہ آزاد کیا تھا وہ بھی میرے ساتھ اس سال حج کے لیے آیا ہوا ہے۔ وہ کھڑا ہے۔ سری سقطیؒ نے ایک طرف اشارہ کیا مگر تحفہ نے دیکھا نہیں۔

اس کے ہاتھ دعا کے لیے اٹھے۔ وہ زیر لب کچھ کہتی گئی اور پھر وہ بیت اللہ کی دیوار کے

Marfat.com

سائے میں ایک طرف لڑھک گئی۔ سری سقطیؒ کو اشارہ کرتے ہوئے دیکھ کر وہ سوداگر لپک کر ان کے پاس آیا۔ سری سقطیؒ نے تحفہ کو ہلا جلا کر دیکھا تو وہ وصال بحق ہوئی تھی۔ سوداگر نے بھی اپنی تسلی کے لیے تحفہ کی نبض دیکھی اس کی پیشانی پر بل پڑ گئے اور بے اختیار اس پر گر پڑا۔

اور پھر دونوں کے تجہیز و تکفین کا بار سری سقطیؒ کے کندھوں پر آ پڑا۔

☆

Marfat.com

حضرۃ قرسم خاتونؒ

تاریخ عالم میں محمود غزنوی کا نام ایک بت شکن کے طور پر یاد رکھا جاتا ہے مگر بہت کم لوگوں کو معلوم ہے کہ محمود غزنوی صرف ایک حکمران اور فاتح نہ تھا بلکہ علماء اور اولیاء کا بے حد قدرداں بھی تھا۔ محمود غزنوی کے عہد میں حضرت شیخ شعیبؒ ایک بہت بڑے ولی کامل تھے۔ جس کا سلسلہ نسب حضرت عمر فاروقؓ سے ملتا ہے۔ محمود غزنوی کی بڑی خواہش تھی کہ ان سے رشتہ استوار کیا جائے اس خواہش کو عملی جامہ پہنانے کے لیے اس نے چاہا کہ ان کی بہن حضرت شعیبؒ کی عقد میں چلی جائے۔ لوگوں نے اسے مخمل میں ٹاٹ کا پیوند قرار دیا کہ کہاں شاہی محلات اور کہاں ایک مرد خدا فقیر کی کٹیا۔ اس لیے اس مرد درویش نے انکار کیا مگر جب اصرار شاہی بڑھا تو اس نے کہا کہ اس خاتون ''شاہ کی بہن'' سے بھی تو پوچھا جائے۔ اس درویش صفت خاتون نے بھی اس امر پر رضامندی اور خوشی کا اظہار کیا تب محلوں میں پلنے والی شہزادی ایک فقیر کی جھونپڑی میں دلہن بن کر آ گئی۔ جنہوں نے مرتے دم تک اس مرد فقیر کی لاج رکھی۔ دنیاوی مال و متاع اور شان و شوکت کی طرف اس نے پھر پلٹ کر دیکھا تک نہیں۔ ہر چند کہ سونے چاندی کے ڈھیر آپ کی نذر کیے گئے۔

پھر تاریخ کا ورق پلٹا۔ محمود غزنوی کی رحلت کے بعد سلطنت غزنوی ابتری اور زوال کا شکار ہوئی۔ فتنہ تاتار نے سر اٹھایا جس کی چیرہ دستیوں سے کابل اور غزنی بھی محفوظ نہ رہے جس کی وجہ سے لوگوں نے محفوظ مقامات کی طرف نقل مکانی شروع کی تو حضرت شعیبؒ اپنی زوجہ (محمود غزنوی کی بہن) اپنے تین بچوں اور دیگر اہل خانہ کے ساتھ ترک وطن کر کے ''قصور'' آیا

Marfat.com

اور بعد میں ملتان کے قریب کھوتوال میں مستقل سکونت اختیار کی۔ اس وقت ہندوستان میں سلطان شہاب الدین غوری کا ڈنکا بج رہا تھا۔ بادشاہ نے اس مرد بزرگ کو خوش آمدید کہا اور خاص فرمان شاہی کے تحت آپؒ کو یہاں کا قاضی مقرر کیا گیا۔

حضرت شیخ شعیبؒ کی اولاد میں حضرت جمال الدین ایک منفرد شخصیت کے مالک تھے۔ محمود غزنوی کے اس بھانجے کا عالم شباب میں علم و فضل کا یہ حال تھا کہ جب کسی موضوع پر گفتگو فرماتے تھے تو بڑے بڑے اہل علم و دانش دنگ رہ جاتے تھے۔ علوم ظاہری و باطنی کے ساتھ ان کا کردار بھی بے مثال تھا۔ ان کے سیرت و کردار اور علمی وجاہت نے ملتان کے مشہور بزرگ حضرت مولانا وجیہ الدین کو بہت متاثر کیا اور پھر یہ تعلق خاطر اس قدر بڑھا کہ مولانا نے اپنی صاحب زادی قرسم خاتون کا نکاح آپ سے پڑھوایا۔ جو کہ خود اپنی زہد و تقویٰ میں نہ صرف بے نظیر تھی بلکہ بہت بڑی اللہ والی اور صاحب کرامت ولیہ بھی تھیں۔

آپؒ کے بطن سے چار بچوں نے جنم لیا۔ ان میں تین لڑکے اور ایک لڑکی تھی۔ بڑا بیٹا عزیز الدین محمود اور بیٹی ہاجرہ بہت صالح عابد اور والدین کی طرح متقی تھے۔ جبکہ منجھلا فرید الدین مسعود گنج شکرؒ اور اس سے چھوٹا نجیب الدین محمود متوکلؒ کا شمار بہت بڑے اولیائے پاک و ہند میں ہوتا ہے۔ تاریخ تصوف میں آپ غالباً واحد خاتون ہیں جس کو یہ فضیلت حاصل ہے کہ وہ بیک وقت دو بڑے اولیاء کرام کی ماں تھیں۔

حضرۃ قرسمؒ خاتون کے چاروں بچے ابھی بہت چھوٹے تھے۔ فرید الدین مسعود گنج شکرؒ کی عمر بمشکل پانچ برس تھی۔ نجیب الدین متوکلؒ اس سے بھی چھوٹے تھے کہ 75-574ھ میں ان کے والد محترم شیخ جمال الدین سلیمان نے وفات پائی اور قرسمؒ خاتون بیوہ ہوئیں۔

شوہر کی وفات کے بعد چاروں بچوں کی کفالت، تعلیم و تربیت اور نگہداشت کی ذمہ داری کا بوجھ آپؒ کو اٹھانا پڑا۔ مگر آپ نے بڑے عزم اور نہایت حوصلے سے ان نامساعد حالات کا مقابلہ کیا اور بچوں کی تعلیم و تربیت میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔

آپؒ خود چونکہ انتہائی برگزیدہ اور صالحہ تھیں اور رزق حلال کا بہت خیال رکھتی تھیں۔

Marfat.com

رسول اکرمؐ کا یہ ارشاد گرامی ہمیشہ آپ کی پیش نظر رہی کہ وہ جسم جنت میں ہرگز داخل نہیں ہوگا جو حرام کی کمائی سے پروان چڑھا ہو (سنن الدارمی) اس لیے رزق حرام یا مشکوک نہ خود کبھی کھایا نہ بچوں کو کھلایا۔ اس احتیاط کا ثمرہ تھا کہ لقمہ حرام کبھی آپ کو ہضم بھی نہیں ہوتا تھا۔ اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ آپ کے پڑوس میں ہمسائے کے گھر بیر کا درخت تھا۔ جس کی چند شاخیں آپ کے گھر کے صحن تک پھیل چکی تھیں۔ ایک بار تیز ہوا کی وجہ سے اس درخت سے چند بیر ٹوٹ کر صحن میں آ گرے۔ آپؒ نے بے دھیانی چند بیر اٹھائے۔ ابھی وہ حلق سے نیچے نہیں اترے تھے کہ شدید درد شکم نے گھیر لیا یہاں تک کہ درد سے بے تاب ہو کر آپ تڑپنے لگیں اور جب آپ نے حلق میں انگلی ڈال کر قے کر دی تب آپ کو آرام نصیب ہوا۔

بعض کتابوں میں گنج شکرؒ کی وجہ تسمیہ یہ بیان کیا گیا ہے کہ جب پہلی بار آپؒ نے اپنے منجھلے بیٹے فرید الدین مسعودؒ کو نماز پڑھنے کی تلقین کی کہ "بیٹے نماز پڑھا کرو۔ اس سے اللہ تعالیٰ راضی ہوتا ہے اور اپنے عبادت گزار بندوں کو بے شمار انعامات سے نوازتا ہے" تو چھوٹے بچے نے بڑی معصومیت سے پوچھا: امی جان جو بچے نماز پڑھتے ہیں انہیں اللہ کی طرف سے کیا انعام ملتا ہے؟ تو آپ نے فرمایا: نمازی بچوں کو پہلے شکر ملتی ہے اور پھر جب وہ بڑے ہو جاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ انہیں دوسرے بے شمار انعامات سے نوازتا ہے۔۔۔ بچہ مطمئن ہو کر چلا گیا۔

اس کے بعد آپؒ نے یہ معمول بنایا کہ نماز سے قبل آپ مصلے کے نیچے خاموشی سے شکر کی پڑیا رکھا کرتی تھیں۔ بابا فریدؒ نماز پڑھنے کے بعد مصلے کا کونہ اٹھا کر اپنا انعام پا لیتے تھے۔ یہ سلسلہ کئی روز تک چلتا رہا۔ ایک دن گھریلو مصروفیات کی وجہ سے آپ اپنا یہ معمول بھول گئیں۔ دوسرے دن جب یاد آیا تو اپنے فرزند کو بلا کر پوچھا:

فرید! کیا تمہیں کل مصلے کے نیچے سے شکر ملی تھی؟

معصوم فرید نے اثبات میں جواب دیا۔ جی اماں جی! مجھے ہر نماز کے بعد شکر مل جاتی ہے۔

Marfat.com

بیٹے کی بات سن کر قرسم خاتونؒ کی آنکھیں جذبہ تشکر سے بھیگ گئیں اور سجدہ شکر بجا لائیں کہ بچے کو بہلانے کے لیے کہے گئے الفاظ کو اس قدر قبولیت کا درجہ بخشا گیا تھا۔ آپؒ نے پیار سے اپنے بیٹے کو سینے سے لگایا اور ممتا بھرے لہجے میں کہا، میرا بیٹا فرید الدین مسعود گنج شکر ہے اور اس کے بعد یہ آپ کا لقب پڑ گیا۔

حضرت نظام الدین اولیاؒ نے حضرۃ قرسم خاتون کی ایک اور مشہور کرامت کا ذکر کیا ہے جس سے آپ کی روحانی عظمت اور مرتبے کا اندازہ ہوتا ہے۔ ایک رات آپ تہجد کی نماز میں مشغول تھیں۔ چاروں بچے آپؒ کے قریب گہری نیند سوئے ہوئے تھے کہ ایک ہندو چور آپ کے گھر میں داخل ہوا۔ اس کا خیال تھا کہ یہ ایک بے سہارا بیوہ کا مکان ہے یہاں کوئی روکنے ٹوکنے والا نہیں ہوگا اور وہ آسانی سے بہت کچھ لے جاسکے گا۔

مگر جیسے چور گھر میں داخل ہوا اور چراغ کی روشنی میں ان کی نظر قرسمؒ خاتون پر پڑی جو نماز میں مشغول تھیں تو ان کی بینائی زائل ہوئی وہ سر تھام کر اسی جگہ بیٹھ گیا اور دہائی دینے لگا کہ اس گھر میں کوئی مرد ہے تو وہ میرا باپ اور بھائی ہے اور اگر کوئی عورت ہے تو وہ میری ماں اور بہن ہے۔ گھر میں جو بھی اللہ والا ہے میں ان کی برکت اور اپنی سیاہ بختی کے سبب میں بینائی سے محروم ہو چکا ہوں۔ میں چور ہوں۔ چوری کی نیت سے یہاں آیا تھا۔ مگر اب میں اپنے ارادے اور فعل پر شرمندہ ہوں۔ خدا کے لیے مجھے معاف فرمائیں۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ آئندہ کے لیے کبھی چوری چکاری نہیں کروں گا۔ خدا کے واسطہ میرے لیے دعا فرمائیں تاکہ میری بینائی مجھے واپس مل جائے۔ چور کی آہ وزاری سے آپ کا دل پسیجا تو آپؒ نے ان کی بینائی لوٹا دینے کے لیے خدا کے حضور ہاتھ اٹھا دیئے اور چور کو اپنی بینائی واپس مل گئی۔

دوسرے دن صبح سویرے وہ چور اپنی گھر والی کے ساتھ آپؒ کے در پر کھڑا تھا۔ لسی کا مٹکا ان کے سر پر دھرا تھا اور کہہ رہا تھا: میں کل رات والا چور ہوں۔ اب میں توبہ تائب ہو چکا ہوں اور اپنے اہل وعیال سمیت اسلام قبول کرنے آیا ہوں۔

اسلام قبول کرنے کے بعد جلد ہی ان کا شمار صالحین میں ہونے لگا۔ اس نے مرتے دم

Marfat.com

تک آپ کا آستانہ نہیں چھوڑا اور مرنے کے بعد ان کو اسی قصبہ میں گنج شکرؒ کے بڑے بھائی عزیز الدین محمود کے پہلو میں سپرد خاک کر دیا گیا۔ شیخ عبداللہ کے نام سے اب بھی ان کی زیارت کے لیے زائرین آتے ہیں۔

حضرۃ قرسم خاتونؒ بڑی مردم شناس عورت تھی۔ اپنے بچوں میں گنج شکرؒ سے آپؒ کو بڑی امیدیں وابستہ تھیں کیونکہ آپؒ کی چشم بصیرت افروز سے ان کی مخفی صلاحیتیں چھپی نہ تھیں۔ بچپن سے ان کے انداز واطوار اللہ والوں کے تھے۔ اس لیے ان کی تعلیم وتربیت پر آپؒ نے خصوصی توجہ دی۔ گیارہ سال کی عمر میں قاری محمد کی نگرانی میں ان سے قرآن پاک حفظ کروایا۔ دیگر علوم کے لیے سید نذیر احمد صاحب کو منتخب کر لیا گیا جو کہ ایک بڑے عالم دین اور بہترین مدرس تھے اور جب آپؒ نے حج کا ارادہ کیا تو نوعمر گنج شکر کو بھی اپنے ہمراہ لے گئیں۔ حج کی سعادت حاصل کرنے کے بعد آپ نے مزید علوم کی تحصیل کے لیے اسے ملتان بھیج دیا جہاں وہ اٹھارہ سال تک مختلف اساتذہ سے کسب فیض کرتے رہے۔ اس کے بعد والدہ کی اجازت سے بابا فریدؒ نے مختلف اولیاء کرام کے سامنے زانوے تلمذ تہہ کیا اور دور دراز کے سفر کئے۔ ان سفروں میں بابا فریدؒ نے جن بزرگوں سے فیض پایا ان میں حضرت خواجہ بختیار کاکیؒ، شیخ شہاب الدین سہروردیؒ، شیخ فرید الدین عطار نیشاپوریؒ، شیخ بہاؤ الدین زکریا ملتانیؒ اور خواجہ معین الدین چشتیؒ کے اسمائے گرامی خاص کر قابل ذکر ہیں۔ تاہم راہ سلوک کے جملہ منازل آپؒ نے خواجہ بختیار کاکیؒ کی زیر نگرانی میں طے کیے۔

اپنے چھوٹے بیٹے نجیب الدین متوکل سے بھی آپؒ غافل نہ تھیں۔ اس کو آپؒ نے بعد میں بابا فرید کے سپرد کیا، جبکہ بیٹی حضرۃ ہاجرہ کی بھی روحانی اور علمی تربیت آپؒ نے خود کی اور اس کو مقام جلیلہ پر پہنچایا، بعد میں بی بی ہاجرہؒ کی آغوش محبت میں مشہور بزرگ حضرت علی احمد صابر کلیریؒ نے آنکھ کھولی۔

حضرۃ قرسم خاتونؒ کے انتقال کا واقعہ بھی عجیب وغریب ہے۔ بڑے بڑے بزرگان دین اور مشاہیر بھی اس واقعہ کی کوئی توجیہہ پیش کرنے سے قاصر ہیں۔

Marfat.com

اس زمانے میں حضرت بابا فرید الدین گنج شکرؒ اجودھن میں مقیم تھے۔ والدہ محترمہ کھوتوال میں سکونت پذیر تھیں۔ جو کہ اس وقت کافی ضعیف العمر ہو چکی تھیں۔ دونوں قصبوں کے درمیان فاصلہ کافی زیادہ تھا۔ بابا فرید کو والدہ کی خدمت کا موقع نہیں ملتا تھا۔ اس لیے آپؒ نے اپنے چھوٹے بھائی شیخ نجیب الدین متوکل کو والدہ محترمہ اجودھن لانے کے لیے بھیجا تا کہ آپؒ کو اپنی والدہ کی خدمت کا سعادت حاصل ہوتا رہے۔

شیخ نجیب الدین متوکلؒ آپؒ کو لے کر عازم سفر ہوئے۔ راستہ میں جنگل کے کنارے آپ آرام کے لیے ایک جگہ ٹھہرے۔ اس وقت زاد سفر میں پانی ختم ہو چکا تھا اور حضرۃ قرسم خاتونؒ کو شدید پیاس لگی تھی۔ نزدیک پانی نہ تھا۔ اس لیے شیخ نجیب الدین متوکلؒ والدہ محترمہ کو درخت کے نیچے بٹھا کر پانی کی تلاش میں ذرا دور تک نکل گئے مگر جب وہ پانی لے کر آئے تو آپؒ موجود نہ تھیں۔ اس نے آپؒ کو بہت تلاش کیا سارا جنگل چھان مارا حالانکہ آپ کو اندازہ تھا کہ آپ ایک کمزور ضعیف خاتون ہیں اتنے مختصر وقت میں آپ اتنی دور تک نہیں جا سکتیں۔ مگر پھر بھی آپؒ نے بہت ڈھونڈا مگر نتیجہ کچھ نہیں نکلا۔ آخر آپؒ شکستہ دل اپنے بڑے بھائی بابا فریدؒ کی خدمت میں پہنچے اور والدہ کی گم شدگی کا سارا حال سنایا۔ والدہ کی گمشدگی کا سن کر بابا فریدؒ بھی بہت مضطرب ہوئے۔ زبان سے بے اختیار انا للہ وانا الیہ راجعون کے الفاظ نکلے۔ آپؒ نے اسی وقت کھانا پکوایا اور صدقہ غریب غربا میں تقسیم کیا۔ اس کے بعد دوسرے خدمت گاروں کو بھی تلاش کے لیے اس جنگل کی طرف بھیج دیا مگر ساری تدبیریں لا حاصل رہیں۔

ایک مدت کے بعد شیخ نجیب الدین متوکلؒ کا گزر اس راستے پر ہوا جہاں پر ان کی والدہ صاحبہ گم ہو گئی تھیں۔ جب وہ اس درخت تلے پہنچا جس کے نیچے انہوں نے آرام فرمایا تھا تو ان کا دل بھر آیا وہ ایک مبہم سی امید کے ساتھ پھر اٹھا اور آس پاس کی جھاڑیوں میں گھومنے پھرنے لگا کہ شاید والدہ محترمہ کی کوئی نشانی مل جائے۔ آخر ایک جگہ انہیں کچھ انسانی ہڈیاں ملیں۔ انہوں نے دل میں سوچا کہ یہ ضرور ہماری والدہ صاحبہ کی ہیں۔ جن کو کسی شیر یا درندے نے ہلاک کیا ہوگا۔ ان ہڈیوں کو جمع کر کے اس نے ایک تھیلی میں ڈالا اور اپنے بڑے بھائی گنج شکرؒ

Marfat.com

کی خدمت میں لے کر آیا اور تمام واقعہ گوش گزار کیا۔ بابا فریدؒ نے وہ تھیلا آپ سے لے کر جھاڑا تو اس سے کچھ نہیں نکلا۔ وہ اندر سے بالکل خالی تھا۔ خالی تھیلی کو دیکھ کر نجیب الدین متوکلؒ کو سخت حیرت ہوئی کیونکہ انہوں نے اس تھیلی میں سب کچھ ڈالا تھا اور اس کا منہ بند کیا تھا۔ اس لیے آپ بار بار خالی تھیلی کو دیکھ رہے تھے۔

ایک اور روایت کے مطابق حضرۃ قرسم خاتونؒ جنگل سے زندہ سلامت واپس آ گئی تھیں مگر یہ روایت زیادہ مستند نہیں بلکہ ان کی وفات کا یہ عجیب وغریب واقعہ ہی مشہور ہے جس کے راوی حضرت نظام الدین اولیاؒ ہیں، جس نے ان کی وفات کو عجائبات زمانہ میں ایک واقعہ قرار دیا ہے۔

☆

Marfat.com

حضرۃ بی بی فاطمہ سامؒ

حضرۃ بی بی فاطمہؒ عیاث پور کے اندر پت میں مقیم تھی۔ ان کی بزرگی، زہد و تقویٰ اور عظمت کا ایک عالم معترف تھا۔ وہ بڑی مرتبے کی ولیہ تھیں۔ بابا فرید گنج شکرؒ نے ان کے بارے میں فرمایا تھا کہ بی بی فاطمہؒ سام ایک مرد ہے جن کو اللہ تعالیٰ نے عورتوں کی شکل میں بھیجا۔ حضرۃ بی بی فاطمہؒ سام بابا فرید گنج شکرؒ کے چھوٹے بھائی نجیب الدین متوکلؒ کو اپنا بھائی کہا کرتی تھیں اور وہ بھی ان کو اپنی بہن ہاجرہ سے بڑھ کر عزیز رکھتے تھے اس رشتہ تقدس میں کسی کو کلام نہ تھا۔ بی بی فاطمہ سامؒ کی گزر بسر کا انحصار ایک کنیز پر تھا جو محنت مزدوری کر کے گھر کا خرچہ پورا کرتی تھی۔

ان دنوں نجیب الدین متوکل کا حال بہت پتلا تھا۔ کئی دنوں سے کوئی کیل اڑ کر منہ میں نہ گئی بظاہر فاقہ ٹوٹنے کا کوئی امکان نہ تھا۔ بیوی بچے بھوک کے باوجود اللہ تعالیٰ پر توکل کیے خاموش تھے۔ اس وقت شیخ نجیب الدین متوکلؒ اپنے گھر کے بالائی حجرے میں سجدے پر پڑے تھے کہ ایک مرید آیا اور عرض گزار ہوا، حضرت! میرے لائق اگر کوئی خدمت ہو تو فرمائیں اس کو سرانجام دینے میں مجھے بے حد خوشی ہوگی۔

میرا جو حال ہے اس سے میرا رب آگاہ ہے اور میرے رب نے میری بہن فاطمہؒ کو بھی اس سے آگاہ کیا ہوا ہے۔ اس لیے اب میں کسی اور کو اس پر آگاہ کرنا مناسب نہیں سمجھتا۔

مرید نے متعجب ہو کر کہا، لیکن پیر و مرشد! بی بی فاطمہ سامؒ تو یہاں کافی دور عیاث پور میں مقیم ہیں۔ انہیں آپ کا حال کیونکر معلوم ہوگا؟

Marfat.com

میں نے جو کہہ دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے بعد بی بی فاطمہؒ سام ہی میرے حال سے باخبر ہے پھر تمہیں شبہ میں پڑنے کی کیا ضرورت ہے۔ شیخ نجیب الدین متوکلؒ نے اپنی بات پر زور دے کر کہا۔

لیکن مرید کو پھر بھی یقین نہیں آیا۔ اس نے متذبذب اور غیر یقینی لہجے میں کہا: آپ فرماتے ہیں تو یقین کر لیتا ہوں ورنہ یہ بات میری سمجھ سے باہر ہے، ابھی یہ گفتگو جاری تھی کہ کسی نے دروازے پر دستک دی۔ تو آپؒ نے اس مرید سے فرمایا: جاؤ دیکھو! بی بی فاطمہؒ کا پیغام آ گیا ہے۔ مرید نے نیچے اتر کر دروازہ کھولا تو سامنے ایک آدمی کھانے پینے کا وافر سامان لیے ہوئے کھڑا تھا وہ شخص مرید سے کہنے لگا: پیرومرشد حضرت نجیب الدین متوکلؒ سے کہہ دو کہ ان کی بہن بی بی فاطمہ سامؒ نے کھانے پینے کا یہ سامان بھیجا ہے۔ کیونکہ انہیں کشف سے معلوم ہوا ہے کہ ان کا بھائی اور ان کے بال بچے آج کل بہت پریشان ہیں، یہ سب کچھ ان کے لیے ہے جو حق حلال کی کمائی سے خریدا گیا ہے۔

جب ان اشیاءِ خورد و نوش کو آپ کی خدمت میں پیش کیا گیا تو آپؒ نے اپنے مرید سے کہا: میرے فقر کا حال میری بہن پر جس طرح عیاں اور روشن ہے اگر خلیفہ وقت پر بھی اپنے رعایا کا حال اسی طرح روشن اور آشکارہ ہو تو رعایا میں کوئی بھوکا ننگا پیاسا نہیں رہے گا۔

ایک دن نجیب الدین متوکلؒ بی بی فاطمہ سامؒ سے ملاقات کے لیے غیاث پور تشریف لے گئے تو آپ نے دیکھا کہ وہ مصلے پر سربسجود ہیں۔ ان کے قریب دو روٹیاں رکھی ہوئی ہیں۔ کنیز ایک طرف خاموش بیٹھی ہوئی ہیں۔ آپؒ نے کنیز سے آہستہ سے پوچھا "بی بی یہ کیا معاملہ ہے؟"

کنیز نے عرض کیا: کیا کہوں سرکار! مجھے معلوم نہیں کہ وہ کونسی قوت ہے جو بی بی صاحبہ کو غذا کے بغیر زندہ رکھے ہوئے ہے۔ میں ہر روز دو روٹیاں اسی طرح ان کے سامنے رکھتی ہوں۔ یہ دن بھر روزے سے ہوتی ہیں۔ شام کو دو لقموں سے روزہ افطار کر لیتی ہیں اور پھر بقیہ روٹیاں کسی بھوکے کو اللہ کے نام پر دیتی ہیں۔

Marfat.com

''یہ سلسلہ کب سے چل رہا ہے؟'' نجیب الدین متوکلؒ نے پوچھا:

''حضور کئی ماہ سے'' کنیز نے عرض کی۔

تو آپ نے فرمایا ''میری بہن رابعہ دوراں ہے۔ اس عہد کی رابعہ بصریؒ ہیں، کافی دیر بعد جب بی بی فاطمہ سامؒ نے سجدے سے سر اٹھایا تو با آواز بلند متوکلؒ سے پوچھا: بھائی متوکل آپ کیسی باتیں کرنے لگے ہیں۔ میں یہ کیا سن رہی ہوں؟

متوکلؒ نے جواب دیا، بہن میں نے کوئی ایسی بات نہیں کہی ہے جس پر آپ فکر مند ہو جائیں۔

تو آپ نے فرمایا: کہاں میں اور کہاں رابعہ بصریؒ؟ اس پاک طینت اور جید ترین ہستی کا مجھ گناہگار سے موازنہ اور مقابلہ۔

بہن! یہ آپ کا عجز وانکسار ہے جو آپ اس طرح باتیں کر رہی ہیں ورنہ ایک زمانہ آپ کے مقام و مرتبے سے واقف ہے۔ شیخ متوکلؒ نے کہا۔

خدا زبان خلق کو نقارہ خدا کرے۔ بی بی فاطمہ سامؒ نے کہا جس پر متوکلؒ نے آمین کہی۔

پھر ذرا توقف کے بعد پوچھا: بھائی متوکل! اس غیر متوقع تشریف آوری کا مطلب؟

بہن! میرا دل گھبرایا تو میں ملنے کے لیے چلا آیا۔ میں کافی دنوں سے دل کے اندر سے یہ آواز سن رہا ہوں جیسے کوئی کہہ رہا ہو کہ متوکل جا اپنی بہن سے ملاقات کر لے پھر معلوم نہیں کہ ملاقات نصیب میں ہو بھی یا نہیں۔ اس لیے میں دل کی آواز پر چلا آیا۔

بی بی فاطمہ سامؒ نے ٹھنڈی آہ بھرتے ہوئے کہا، تم ٹھیک کہتے ہو۔ بھائی متوکل! زندگی کا کیا بھروسہ۔ دو سانسیں ہیں۔ ایک اندر جاتی ہے اور دوسری باہر آتی ہے۔ پتہ نہیں کب یہ سانسوں کی ڈور ٹوٹے اور وہ دم دمِ آخریں ثابت ہو جائے۔

شیخ متوکلؒ کو جیسے معلوم ہو چکا تھا۔ اس لیے انہوں نے کہا: بہن میں کچھ عرصہ کے لیے یہاں آپ کا مہمان بن کر رہوں گا۔

تو بی بی فاطمہؒ نے فرمایا: کچھ عرصہ کے لیے کیوں؟ یہ آپ کی بہن کا گھر ہے۔ جتنا عرصہ

Marfat.com

جی چاہے یہاں ٹھہریئے۔ یہ بھی آپ کا اپنا ہی گھر ہے۔

رات کو بی بی فاطمہ سامؒ نے اپنی کنیز سے پوچھا: آپ کو معلوم ہے کہ بھائی متوکل کیوں تشریف لائے ہیں؟ کنیز نے لاعلمی کا اظہار کیا تو آپؒ نے فرمایا: اگر معلوم نہیں تو چند دنوں کے بعد خود بخود جان جائے گی کہ وہ کیوں مہمان بن کر ٹھہر گیا ہے۔ یہ خلاف معمول ٹھہرنا بعد از مصلحت نہیں۔

چند دنوں کے اندر اندر کنیز نے محسوس کیا کہ بی بی فاطمہؒ نے کھانا بالکل چھوڑ دیا ہے اور ان کی عبادت گزاری میں غیر معمولی اضافہ ہو گیا ہے۔ آپؒ شب و روز اللہ تعالیٰ کے آگے سر بسجود رہنے لگیں اور اس طرح گڑگڑا کر آہ و زاری سے دعائیں مانگتی تھیں کہ ملائک اس پر بے اختیار آمین کہہ اٹھتے تھے۔

رات کے ایک پچھلے پہر بی بی فاطمہؒ کی سسکیوں کی آواز سن کر کنیز جلدی سے گھبرا کر اٹھ بیٹھی اور کان لگا کر سنا تو بی بی فاطمہ سامؒ خدا کے حضور مخاطب تھی:

''اے میرے رب! میری کنیز مجھ سے کہتی ہے کہ میں روٹی کھاؤں پانی پیوں، لیکن میں تیری جدائی میں تڑپ رہی ہوں۔ تو کب تک مجھے دور رکھے گا۔ میں کیوں کھا پی کر اپنے آپ کو تندرست و توانا رکھوں۔ کیوں جدائی کے لمحات کو طول دوں۔ میں تیری فرقت میں تڑپ رہی ہوں۔ اے خدا! میں جسم کی قید سے عاجز آ چکی ہوں۔ میں خودکشی نہیں کر سکتی کیونکہ خودکشی تیری شریعت میں حرام ہے۔ میں تجھ سے بس یہی دعا مانگ سکتی ہوں کہ میری مشکل آسان کر دے مجھے اپنا وصال جلد از جلد نصیب فرما دے۔۔۔ بی بی فاطمہ سامؒ اس طرح رو رو کر مچل مچل کر دعا مانگتی رہی اور کنیز بت بنی حیرت سے یہ سب کچھ سنتی رہی۔

بی بی فاطمہ سامؒ نے چالیس دن اس حالت میں گزارے۔ شیخ نجیب الدین متوکلؒ سے یہ حال نہ دیکھا گیا اس لیے پوچھ ہی لیا، بی بی فاطمہ بہن! کیا آپ اس دنیا سے اس قدر بے زار ہو چکی ہیں جو اس طرح خالق حقیقی سے ملنے کا منصوبہ بنا لیا ہے۔

بی بی فاطمہ سامؒ نے جواب دیا۔ بھئی متوکل! اب زندگی کی یکسانیت اور تنہائی سے تنگ آ

Marfat.com

چکی ہوں۔ میں جس چیز کی تلاش میں ہوں اس کو میری روح اس وقت تک نہیں پا سکتی جب تک وہ بدن کے قفس میں مقید رہے گا۔ پھر میں اس قفس کو توڑ کر کیوں نہ اس روح کو اس قید سے چھٹکارہ دلا دوں اور اس کا پالوں۔

شیخ متوکل یہ سن کر خاموش ہوا۔ بی بی فاطمہ سامؒ نے نگاہ اٹھا کر باہر صحن کی طرف دیکھا تو آپؒ کی ایک اجنبی پر نظر پڑی جس کے چہرے کی نورانیت سے صحن منور تھا۔ آپؒ نے دوپٹے کے آنچل سے چہرہ چھپا کر پوچھا:

اے اجنبی! تو کون ہے اور یہاں کیا لینے آیا ہوا ہے؟

نورانی چہرے والے بزرگ نے احترام سے جواب دیا: بی بی فاطمہ! میں ملک الموت ہوں۔ رب العالمین کی درگاہ میں آپ کی دعا کو شرف قبولیت بخشا گیا ہے۔ میں اپنا فرض پورا کرنے کے لیے حاضر خدمت ہوا ہوں۔

یہ سن کر بی بی فاطمہؒ سام کی مسرت قابل دید تھی۔ اللہ تعالیٰ اپ کا لاکھ لاکھ شکر! میں کس زبان سے تیرا شکر ادا کروں کہ تو نے میری دعا قبول فرمائی ہے۔

بی بی فاطمہ! میرے ساتھ وقت کم ہے۔ مجھے جلد از جلد رخصت کر دیجئے، فرشتہ اجل نے کہا۔

بی بی فاطمہؒ نے کہا: میں آپ کا زیادہ وقت نہیں لوں گی۔ میں ان آخری لمحات میں تجدید وضو کرنا چاہتی ہوں تا کہ دو رکعات نماز شکرانہ ادا کروں۔ اور اس کے بعد دو رکعات نفل پڑھوں گی۔

”میں اس وقت تک انتظار کرلوں گا“

بی بی فاطمہ سامؒ کی گفتگو سن کر شیخ نجیب الدین متوکلؒ نے پوچھا:

بہن! تم کس سے باتیں کر رہی تھیں؟

بی بی فاطمہ سامؒ نے جواب دیا: خدا کے ایک بندے سے، جو نوری ہے اور جسے ہر ذی روح کے پاس جانا پڑتا ہے۔

Marfat.com

''ہوں'' تو گویا جدائی کا لمحہ آ پہنچا۔ آپ کی دعا قبول ہوئی۔ شیخ نجیب الدین متوکلؒ نے کہا۔

بی بی فاطمہ سامؒ نے وضو تازہ کیا۔ دو رکعات نماز شکرانہ پڑھی اور پھر مزید دو رکعات نفل کے لیے نیت باندھ لی۔ جب دوسری رکعت کے سجدے میں گئیں تو آپ کی روح قید جسمانی سے آزاد ہوئی۔ کنیز بلک بلک کر رونے لگی۔ شیخ نجیب الدین متوکلؒ باوجود یقین کامل کے جدائی کے اس لمحوں میں دل گرفتہ تھے۔ انتقال کی خبر جنگل کی آگ کی طرح آناً فاناً پھیلی اور نماز جنازہ پر اس قدر خلقت جمع ہوئی کہ شمار نہ تھی۔ جب جنازہ تیار ہو گیا تو لوگوں میں چہ میگوئیاں شروع ہوئیں کہ نماز جنازہ کون پڑھائے گا۔ کیوں کہ ان کی زہد و تقویٰ اور پارسائی کا رعب لوگوں پر اس قدر غالب تھا کہ نماز جنازہ کی امامت کے لیے بڑے بڑوں کی ہمت جواب دے رہی تھی کہ اچانک شیخ متوکلؒ نے فرمایا: بی بی فاطمہ سامؒ میری عزیز ترین بہن تھیں۔ اب اگر میں ان کا نماز جنازہ نہیں پڑھوں گا تو پھر کون پڑھائے گا۔

شیخ نجیب الدین متوکلؒ نے نماز جنازہ پڑھائی، اور تدفین کے وقت بچوں کی طرح پھوٹ پھوٹ کر روتے رہے۔ لوگوں نے کہا: پیر و مرشد! کیا اس طرح رونا شریعت میں جائز ہے؟

فرمایا: نہیں! لیکن کیا کروں۔ دل پر موجود غبار کو میں آنسوؤں ہی کے ذریعہ دھلا سکتا ہوں۔

تجہیز و تکفین کے بعد شیخ نجیب الدین متوکلؒ نے رات کو خواب میں بی بی فاطمہ سامؒ کو دیکھا تو پوچھا: بہن! آپ کا کیا حال ہے؟

جواب ملا۔ کم از کم میں تو بہت خوش ہوں۔

وہ کس طرح؟ آپ نے پوچھا۔

بی بی فاطمہ سامؒ نے کہا۔ ذرا میری طرف نگاہ اٹھا کر دیکھ۔

شیخ متوکلؒ نے نگاہ اٹھا کر دیکھا تو نہ معلوم کہ کیا نظر آیا کہ دل پر ہیبت سی طاری ہو گئی۔

اس وقت بی بی فاطمہ نماز پڑھ رہی تھیں۔ انہوں نے گھبرائے ہوئے لہجے میں پوچھا: بہن! یہ میں کیا دیکھ رہا ہوں؟

بی بی فاطمہ سامؒ نے سلام پھیرنے کے بعد جواب دیا: بھائی متوکلؒ! میں یہاں عرش پر نماز پڑھتی ہوں۔ خدا نے مجھ پر مہربانی کی جو میں نے چاہا وہ حاصل کرلیا۔ اس کے ساتھ شیخ نجیب الدین متوکلؒ کی آنکھ کھل گئی۔

حضرت نظام الدین اولیاءؒ فرماتے ہیں کہ وہ اپنے زمانے کی صالحہ، عابدہ اور صبر وشکر کرنے والی بی بی تھیں۔ حضرت نظام الدین اولیاءؒ اور آپ کے خلفاء کے ملفوظات میں آپؒ کا تذکرہ بکثرت ملتا ہے۔ حضرت نظام الدین اولیاءؒ فرماتے ہیں کہ شیر کے کچھار سے نکلنے کے بعد کوئی نہیں پوچھتا کہ نر ہے یا مادہ۔ لوگوں کو اطاعت وتقویٰ کی راہ اختیار کرنی چاہیے۔ چاہے مرد ہو یا عورت، پھر فاطمہ سامؒ کی تعریف وتوصیف کے بعد فرماتے ہیں: وہ بے انتہا صالح اور بوڑھی عورت تھی۔ شیخ فریدالدین گنج شکرؒ، شیخ نجیب الدین متوکلؒ اور بی بی فاطمہ سامؒ منہ بولے بھائی بہن تھے۔ ان کو شعر کہنے کا ملکہ حاصل تھا اور ہر چیز کے متعلق حسب حال شعر کہا کرتی تھیں۔

شیخ نظام الدین اولیاءؒ محبوب الٰہی فرماتے ہیں کہ میں نے بی بی فاطمہ سامؒ کی زبانی خود سنا ہے، وہ فرماتی ہیں کہ جو کوئی تھوڑی سی روٹی اور ایک کٹورا پانی اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے کسی کو دیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس پر دین ودنیا کی ایسی نعمتیں نچھاور کرتا ہے جو لاکھوں روزے اور نمازوں سے بھی ان کو نہیں مل سکتی ہیں۔

سید گیسودرازؒ نے اپنی ملفوظات میں لکھا ہے کہ شیخ نصرالدین محمود چراغ دہلوی کی مجلس میں ایک دن بی بی فاطمہ سامؒ کی فضیلت پر باتیں ہورہی تھیں تو چراغ دہلویؒ نے فرمایا کہ حضرۃ بی بی فاطمہ سامؒ کو ایک شخص نے خواب میں دیکھا اور ان سے کہا کہ ایک دن میں اپنے مقررہ طریقہ پر بارگاہ الٰہی میں جارہی تھی کہ میری فرشتہ صفت پرواز دیکھ کر ایک آسمانی فرشتے نے کہا "کون ہو تم! جو اس طرح بے باکی سے جارہی ہو"؟ یہ سن کر میں اپنی جگہ ٹھہر گئی اور قسم کھائی

Marfat.com

اور کہا کہ جب تک خدا نہ بلائے گا میں یہیں بیٹھی رہوں گی۔ تھوڑی دیر بعد اُم المومنین بی بی خدیجہؓ اور بی بی فاطمہؓ دونوں تشریف لائیں میں ان کے پیروں میں گر پڑی اور قدم بوسی کی۔ ان دونوں نے مجھ سے فرمایا:

اے فاطمہ سام! آج کیا بات ہے جو اللہ تعالیٰ نے ہم کو تمہارے بلانے کے لیے بھیجا ہے؟

میں نے عرض کیا میں آپ کی لونڈی ہوں۔ اس سے زیادہ میری عزت افزائی اور کیا ہو گی کہ آپ مجھے بلانے تشریف لائی ہیں۔ بات صرف اتنی سی ہے کہ میں نے قسم کھائی تھی کہ وہ بلائیں تو جاؤں گی ورنہ یہی بیٹھی رہوں گی۔ اس کے بعد فرمان الٰہی ہوا فاطمہ سام سچ کہتی ہے۔ اے فاطمہ سام میرے پاس آؤ کہو کیا کہنا چاہتی ہو۔ جس پر فاطمہ سامؒ نے عرض کیا: اے اللہ تعالیٰ! تیری بارگاہ میں ایسے بھی ہیں جو تیرے پاس آنے والوں کو پہچانتے تک نہیں۔

سیر الاولیاء میں امیر خورد لکھتے ہیں کہ بی بی فاطمہؒ سام کا مزار قصبہ اندر پت کے اطراف میں ہے۔ اور مرجع خاص و عام ہے۔ لیکن اخبار الاخیار میں عبدالحق محدث دہلویؒ فرماتے ہیں کہ بی بی فاطمہ سامؒ کی قبر دہلی نخاس دروازہ (یعنی وہ دروازہ جہاں ہفتہ وار میلہ لگتا ہے) کے پاس ایک ویران کھنڈر کے اندر ہے۔ بعض لوگ اس کو بی بی شام اور بعض لوگ اس کو بی بی صائمہ کے نام سے پکارتے ہیں لیکن صحیح نام بی بی سام ہی ہے۔

سلطان مشائخ محبوب الٰہی نظام الدین اولیاءؒ کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ اکثر آپ کے مقبرہ میں مشغول عبادت رہتے تھے۔

-☆-

Marfat.com

حضرۃ بی بی فاطمہؒ بنت بہاؤالدین زکریاؒ

وہ کیچ مکران کے مطلق العنان حکمران کی کنیز خاص تھی جو اس وقت شاہی خواب گاہ کی صفائی اور جھاڑ پونچ میں مصروف تھی۔ جھاڑ پونچ کے بعد اس نے ایک نظر پر آسائش خواب گاہ پر ڈالی تو اس کا دل شاہی پلنگ پر لیٹنے کو بے اختیار مچل گیا۔ آس پاس کوئی نہ تھا نہ کسی کی آمد کی جلد توقع تھی پھر بھی اس نے ادھر ادھر دیکھا اور جب تسلی ہوئی تو دبے پاؤں پلنگ پر بیٹھ گئی۔ گداز بستر کی راحت دیکھ کر وہ ذرا سرور لینے کے لیے اس پر لیٹ گئی۔ نرم ریشمی تکیہ سرہانے رکھا اور پھر وہ نہ جانے کیوں خوابوں کی دنیا میں کھو سی گئی اس کی آنکھوں میں نیند کا خمار اتر آیا اور پھر جیسے اس پر نشہ طاری ہو گیا وہ دنیا و مافیہا اور شاہی عتاب سے بے نیاز نیند کی دنیا میں چلی گئی جس کا اسے پتہ ہی نہ چلا کہ وہ کتنی دیر سوتی رہی بستر شاہی پر خواب کے مزے لیتے رہی کہ اس نے ایک چنگھاڑ سنی۔ وہ ہڑبڑا کر جلدی سے اٹھی تو سامنے کیچ مکران کا حکمران حمید الدین نشے میں مخمور دھاڑ رہا تھا۔ ابھی وہ کچھ سمجھ نہ پائی تھی کہ خواجہ سرا حاضر ہوا اور اس پر کوڑے برسنے لگے۔ حکمران غصہ میں پیچ و تاب کھاتا ہوا کنیز کو گھور رہا تھا پھر وہ حیرت زدہ ہوتا گیا کیونکہ کنیز کے کپڑے مسک ہو گئے۔ سارا لباس لہو میں تر تھا۔ ہر عضو سے لہو رس رہا تھا مگر وہ نہ چیخ رہی تھی نہ چلا رہی تھی نہ ان کے لبوں پر کوئی فریاد تھی بلکہ ان کے ہونٹوں پر ایک ملکوتی تبسم کھیل رہی تھی۔ جس پر حمید الدین کو بڑا تاؤ آیا۔ انہوں نے خواجہ سرا کو ہاتھ روکنے کا اشارہ کیا اور قہر آلود لہجے میں کنیز سے پوچھا: تو کیوں اس طرح مسکرا رہی ہے۔ کیا تمہیں کوئی تکلیف نہیں پہنچی؟

کنیز نے ادب سے کہا: ظل الٰہی! جہاں تکلیف اور درد کی بات ہے تو اس کا جواب میرا

Marfat.com

خون آلود بدن اور مسکا ہوا لباس ہے۔ جہاں تک مسکراہٹ کا تعلق ہے تو وہ جناب عالی! اس لیے ہے کہ وہ شاہی بستر جس پر میں چند لمحوں کے لیے سوئی، اس کی اتنی بڑی سزا مجھے مل رہی ہے۔ یوم الحساب پر اللہ جانے ان لوگوں کا کیا حال ہوگا جو ساری عمر اس طرح کے بستروں پر سو کر گزارتے ہیں۔

کنیز کے الفاظ تیر کی طرح ان کے دل میں پیوست ہوئے۔ ان کا سارا قہر و غضب بتاشے کی طرح بیٹھ گیا۔ وہ کچھ دیر حیرت سے کنیز کو تکتا رہا۔ پھر نہایت شکستہ لہجے میں خواجہ سرا سے جانے کو کہا اور کنیز سے مخاطب ہوا۔ تو کون ہے؟ تو نے اتنی جامع بات کس طرح کہہ دی؟

کنیز نے مودبانہ عرض کیا: عالی جاہ! آپ پریشان نہ ہوں۔ میں آپ کی ایک ادنیٰ کنیز ہوں۔ ہاں یہ بات ہے کہ اتنی سخت سزا برداشت کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے میرے اندر یہ عارفانہ جواز پیدا کر دی ہے۔

حمید الدین دیر تک کنیز کی طرف خاموشی سے دیکھتا رہا۔ پھر ان کی ہاشمی خون نے اپنا رنگ دکھایا۔ کنیز کو آزادی ملی مگر خود شش و پنج میں گرفتار ہوا۔ اسی دن سے آپ نے مسہری پر سونا موقف کر دیا۔ ان دنوں آپ ایک بار شکار سے واپس آ رہے تھے کہ آپ کا گزر ایک قبر پر ہوا جو کھلا ہوا تھا۔ اس میں بے شمار سانپ بچھو ایک مردے سے چمٹے ہوئے تھے اور بار بار اسے ڈس رہے تھے۔ یہ دیکھ کر آپ کو شدید جھٹکا لگا۔ اور مردے کے بارے میں معلوم کرنے کا حکم دیا۔ پتہ چلا کہ وہ ایک مقامی جاگیردار کا قبر تھا۔ جس کی ظلم و بربریت سے ان کے مزارعین کا برا حال تھا کوئی ان کے شر سے بچا نہ تھا۔ دفن کرنے کے بعد درندوں نے قبر کو کھولا اور قدرت حق نے یہ تماشہ عبرت کے لیے دکھایا۔ تب ان کے رہے سہے حوصلے نے بھی جواب دیا۔ انہوں نے حتمی فیصلہ کر لیا ابراہیم ادھمؒ اور کرمان کے شاہ شجاعؒ کی طرح فوراً تاج و تخت سے دستبرداری کا اعلان کیا۔ اس کے بعد گھر آیا اور بیوی سے کہا: میں نے آخرت کو دنیا پر ترجیح دی۔ اپنی عاقبت سنوارنے کے لیے تاج و تخت کو دوسروں کے حوالے کیا۔ اگر آپ کو میری رفاقت اور چاہت عزیز ہو تو وہ سب کچھ ترک کر دو جس کو میں نے چھوڑا ہے اور میرے ساتھ گھر سے نکلو۔ لیکن اگر

Marfat.com

فقر کے اس کٹھن راہ پر چلنا آپ کو دشوار ہو تو میں آپ کو اپنے ساتھ اس راہ پر خار پر زبردستی چلنے پر مجبور نہیں کروں گا۔

مگر وہ یہ دیکھ کر بہت حیران ہوا کہ بیوی نے بلا تامل آپ کا ہاتھ تھام لیا اس نے حیل و حجت اور ہچکچاہٹ کا مظاہرہ نہیں کیا حالانکہ اس نے کافی سوچ و بچار کے بعد یہ راہ اختیار کی تھی لیکن اس اللہ کی بندی نے ایک لحظہ کے لیے سوچنا بھی گوارا نہ کیا۔ دنیاوی مال و متاع کی کوئی وقعت ان کی نظروں میں جیسے تھی ہی نہیں۔ مگر اس میں حیرانگی کی کوئی نئی بات نہ تھی۔ ان کے میکے کی پہچان ہی تو قناعت سخاوت عبادت اور فقر تھا۔ اس کا تعلق تو اس گھرانے سے تھا جو پہلے سے دولت فقر سے مالا مال چلا آ رہا تھا۔ کیونکہ وہ بہاؤالدین زکریا ملتانیؒ کی دختر تھی۔ جس نے صرف ایک دن میں غریب نادار و مفلسوں اور مستحقوں میں ستر لاکھ روپے تقسیم کیے تھے اس نے تو اس آغوش میں تربیت پائی تھی جہاں خود کو فاقہ سے رکھ کر دوسرے کو کھلایا جاتا تھا۔ اپنی بیوی کی یہ سیر چشمی دیکھ کر وہ خدا کا شکر بجالایا۔

دونوں میاں بیوی محل کی پر آسائش زندگی کو چھوڑ کر میاں سید احمد توختہؒ کے پاس لاہور چلے آئے۔ جو رشتے میں حمید الدین کے نانا اور اپنے عہد کے مشہور و معروف صاحب کرامت بزرگ تھے۔

محل سے نکل کر کچھ دور چلنے کے بعد اچانک بی بی فاطمہؒ کا جی متلانے لگا اور ان کے لیے قدم اٹھانا مشکل ہو گیا۔ آخر ایک جگہ وہ اپنے دونوں ہاتھوں سے پیٹ تھام کر بیٹھ گئی اور پے در پے قے کرنے لگ گئیں۔ اپنی زوجہ کی یوں طبیعت بگڑ جانے پر حمید الدین کافی ہراساں و پریشان ہوا۔ بیوی سے پوچھا:

نیک بخت! کیا تو اپنے ساتھ بھولے سے کوئی قیمتی چیز تو محل سے نہیں اٹھا لائی ہو؟

بظاہر تو میں خالی ہاتھ وہاں سے نکلی ہوں۔ مگر پھر بھی تسلی کر لیتی ہوں۔ مبادا کوئی چیز لاعلمی میں ساتھ آ گئی ہو۔ چنانچہ بی بی فاطمہؒ نے ساماں کی پوٹلی کھولی تو اس میں ایک قیمتی تسبیح نکل آئی جس کو اسی وقت کسی درویش کے حوالے کر دیا گیا۔ قیمتی تسبیح کو دینے کے بعد آپؒ کی طبیعت

Marfat.com

بحال ہوئی۔ اس کے بعد میاں بیوی دونوں نے مکران سے لاہور تک طویل کٹھن سفر طے کر کے سید احمد توختہ کی خدمت میں پہنچے، اپنے نواسے اور انکی زوجہ کو شاہانہ ٹھاٹھ باٹھ اور کروفر کی بجائے درویشانہ لباس میں دیکھ کر سید احمد توختہؒ ہراساں ہوئے۔ اور پر تشویش لہجے میں پوچھا:

یہ کیا فقیروں کا بھیس پہن کر آئے ہو۔ خیر تو ہے نا؟

حمید الدینؒ نے نہایت پرسکون لہجے میں کہا: نانا جان! ہم آپ کے نقش قدم پر چلنا چاہتے ہیں۔ اس لیے حکومت امارت ترک کر کے آپ کے در پر حاضر ہوئے ہیں تا کہ ہماری رہنمائی کریں۔

سید احمد توختہؒ کچھ دیر نواسے اور ان کی زوجہ کو نظروں ہی نظروں میں جانچتے رہے کہ یہ کہیں وقتی ابال کے زیر اثر تو نہیں کہ جوش ٹھنڈا پڑ گیا اور پھر دنیا کی طرف مائل ہوئے۔ انہوں نے دونوں میاں بیوی سے کہا:

یہ راہ بہت کٹھن ہے۔ پر خار ہے، قدم قدم پر علائق دنیا تمہیں بہکائیں گے۔ قدم قدم پر کانٹے چبھیں گے۔ اس راہ پر چلنے کے لیے بڑے صبر حوصلے اور عزم کی ضرورت ہے۔

میاں بیوی نے عرض کیا: محترم نانا جان! ہم انشاء اللہ ہر مشکل کو برداشت کر لیں گے۔ آپ ہمیں ثابت قدم پائیں گے۔

ان کے مصمم ارادے کو دیکھ کر سید احمد توختہؒ نے ان کی تربیت شروع کی اور ان کی ریاضت و عبادت کی نگرانی کرنے لگے۔ اس دن سے میاں بیوی دونوں کا سونا جاگنا کھانا پینا نہ ہونے کے برابر رہ گیا اور دونوں انتہائی ثابت قدمی سے راہ سلوک کو قدم بہ قدم طے کرنے لگے۔ ان ہی ایام میں حمید الدینؒ کا طبع موزوں ہوا اور اپنے احساسات و کیفیات کو شعر کی زبان میں بیان کرنے لگے چونکہ آپ کے نانا اور پیر و مرشد سید احمد توختہؒ آپ کو حاکم کے نام سے مخاطب کرتے تھے اس لحاظ سے آپ نے اپنا تخلص حاکم رکھا۔ لاہور میں ایک عرصہ قیام کے بعد جب سید احمد توختہؒ کا وقت پورا ہوا اور اس نے اس جہاں آب و گل سے کنارہ کر لیا تو آپ ملتان تشریف لے گئے۔ جو کہ نہ صرف روحانیت کا مرکز تھا بلکہ آپ کا سسرال بھی تھا۔

Marfat.com

بی بی فاطمہؒ کو اپنے شوہر کے ہمراہ کئی سفر کرنے پڑے۔ بہت سی دشواریاں پیش آئیں، کئی کئی روز فاقوں کا سامنا کرنا پڑا مگر آپ کبھی حرف شکایت لب پر نہ لاتیں اور نہ ان کی حوصلہ شکنی کی بلکہ ہمیشہ ان کی ڈھارس باندھتی رہی۔ ایک دن فاقہ سے آپؒ کی حالت غیر ہو گئی تو آپؒ کے شوہر سے نہ رہا گیا۔ انہوں نے اپنے مصلے کے نیچے سے ایک قیمتی ہیرا نکالا اور ان سے کہا، اس کو بیچ دو اور اپنے لیے کھانے پینے کا بندوبست کر لو۔ موتی لے کر آپ مطمئن ہوئیں۔ اس طمانیت کے عالم میں آنکھ لگی۔ تو خواب میں دیکھا کہ وہ جنت میں گھوم پھر رہی ہیں، وہاں انہوں نے مروارید کا ایک بے حد خوبصورت محل دیکھا جو فن تعمیر کا ایک نادر شاہکار تھا مگر ایک کونے میں ایک کنگرا غائب تھا۔ آپؒ نے پوچھا یہ محل کس کا ہے جواب ملا حمید الدین حاکمؒ کا۔ پھر پوچھا۔ اس کے ایک کونے کا کنگرا کیوں غائب ہے تو بتایا گیا کہ اس جگہ کا مروارید انہوں نے دنیا میں طلب کر لیا لہٰذا اس کی جگہ خالی رہ گئی ہے۔ جب آپؒ کی آنکھ کھلی تو اسی وقت جا کر وہ موتی اپنے شوہر کو واپس کر دیا اور کہا کہ فاقوں سے مر جانا بہتر ہے مگر اس موتی کو بیچنا منظور نہیں۔ آپ اس موتی کو اس مقام تک پہنچا دیں جہاں سے لیا تھا۔ بیوی کے اس ایثار پر حمید الدین حاکمؒ بہت مسرور ہوئے۔

ایک مرتبہ آپؒ اپنے میکے تشریف لے گئیں۔ رات کو آپؒ ایک بوریہ پر سوتی تھیں۔ ان کے بھائی صدر الدین نے اصرار کر کے کہا کہ بستر چھوڑ کر زمین پر ایک بوسیدہ بوریئے پر آپ کیوں سوتی ہیں۔ بستر لیجئے آپ مہمان ہیں۔ تو آپؒ نے فرمایا: بھائی میں اس طرح سونے کی عادی ہو چکی ہوں کیونکہ میرے میاں ساری رات چار رکعتوں میں گزار دیتے ہیں۔ اور ان چار رکعتوں میں وہ پورا قرآن مجید ختم کر لیتے ہیں۔ بہت کم آرام فرماتے ہیں اور میں بھی ان کا ساتھ دیتی ہوں۔ اب عادت بن گئی ہے۔ بھائی کے پوچھنے پر اپنے شوہر کا مزید حال سناتے ہوئے کہا: ایک دن میں نے ان کے سر کے نیچے تکیہ رکھنا چاہا تو انہوں نے منع کیا اور کہا مجھے راحت و آرام کی طرف مائل نہ کرو۔ اس دن سے میں نے بھی آرام کی نیند ترک کر دی ہے۔

حمید الدین حاکمؒ نے 12 ربیع الاوّل 737ھ کو ملتان میں وفات پائی مگر بی بی فاطمہؒ کی

Marfat.com

تاریخ وفات کے بارے زیادہ تر تذکرے خاموش ہیں۔ حمید الدین حاکمؒ نام کے حاکم ہی نہ تھے بلکہ انہوں نے زہد و ریاضت اور نفس کے تزکیہ پر بھی حکمرانی کی۔ مگر بہت کم لوگوں کو یہ معلوم ہے کہ اس کو راہ سلوک پر لانے والی ایک کنیز تھی اور اس نہایت اولوالعزمی کے پیچھے بی بی فاطمہؒ کا بھی ہاتھ تھا۔ جس نے قدم قدم پر ساتھ دیا اور کبھی آپ کو دل شکستہ اور مایوس نہ ہونے دیا۔

☆

حضرۃ بی بی زلیخاؒ اُم نظام الدین اولیاءؒ

سید عرب کا تعلق خاندان سادات سے تھا۔ آپ ایک طویل عرصہ تک بخارا میں مقیم تھے۔ ذریعہ معاش تجارت تھی۔ ایمانداری، راستی، جفاکشی آپ کا شیوہ تھا۔ نام ہی اعتماد کا ضمانت تھا۔ اس لیے اللہ تعالیٰ تے بہت برکت دی تھی اور آپ کا شمار شہر کے بڑے بڑے تاجروں میں ہوتا تھا۔ تجارت کے ساتھ ساتھ تصوف سے بھی رشتہ استوار کر رکھا تھا۔ مشہور بزرگ خواجہ عثمان ہرویؒ کے مرید اور خلیفہ بھی تھے۔ جو سلطان الہند خواجہ معین الدین چشتیؒ کے پیرو مرشد تھے۔

سید عرب کا ایک چچازاد حضرت سید علی بخاری تھا۔ جو ان کی طرح تاجر اور سرمایہ دار تو نہ تھا مگر زہد و تقویٰ میں ان کا درجہ بہت بلند تھا۔ چچازاد ہونے کے علاوہ دونوں میں پیار و محبت اور دوستی کا مضبوط رشتہ بھی تھا۔ بیٹھے بٹھائے سید عرب کو کیا سوجھی کہ ہندوستان جانے کی دھن سر میں سمائی مگر اپنے وسیع کاروبار اور تعلقات کی وجہ سے سخت متذبذب تھے کوئی حتمی فیصلہ نہیں کر پا رہے تھے آخر ایک رات انہوں نے خواب میں دیکھا کہ کوئی ان سے مخاطب ہے کہ ہندوستان چلے جاؤ۔ تمہارا ارادہ نیک ہے۔ کامیابی تمہارے قدم چومے گی۔ اب سید عرب کو یقین ہوا کہ ان کا ہندوستان جانے کا خیال بے سبب نہیں تھا۔ انہوں نے اپنا خواب بیوی کو سنایا تو اس نے اس خواب کو امر ربی سمجھا اور رضامندی کا اظہار کیا۔ جب آپ نے ہندوستان کے لیے رخت سفر باندھا تو آپ کے چچازاد بھائی حضرت سید علی کو آپ کی جدائی شاق گزری آپ کو روکنے کے بجائے انہوں نے بھی آپ کے ساتھ اپنا سامان سمیٹا اور یوں دونوں عازم ہندوستان

Marfat.com

ہوئے۔ ہندوستان وارد ہونے کے بعد کچھ عرصہ یہ خاندان لاہور میں مقیم رہا اور پھر وہاں سے انہوں نے بدایوں میں مستقل سکونت کے لیے کوچ کیا۔

سید عرب کے دو بیٹے خواجہ عبداللہ اور خواجہ سید محمود جبکہ ایک صاحب زادی بی بی زلیخاؒ بھی تھی۔ گھر میں دولت کی ریل پیل ثروت و کثرت تھی۔ خدمت کے لیے بے شمار کنیزیں اور خادم تھے۔ کھانے پینے پہنے حتیٰ کہ ہر چیز کی بہتات تھی۔ مگر بی بی زلیخاؒ ان تمام چونچلوں سے مبرا تھی جو کسی صاحب ثروت خاندان کی لڑکیوں کا وطیرہ ہوتی ہیں۔ آپ سب سے الگ تھلک اپنے مکان کے ایک گوشے میں دن رات یادالٰہی میں مستغرق رہا کرتی تھیں۔ اسی زہد وتقویٰ پارسائی اور بے نیازی کے سبب لوگ آپ کو اپنے زمانہ کی رابعہ بصریؒ کہا کرتے تھے۔ دنیا سے بے رغبتی، اللہ سے لو اور محبت آپ کے والد کی نظروں سے پوشیدہ نہ تھی۔ اس لیے انہوں نے کسی امیر کبیر گھرانے میں آپ کا رشتہ طے کرانے کے بجائے اپنے چچازاد بھائی کے بیٹے سید احمد علی بخاری سے کرانے کے ارادے کا اظہار کیا۔ لیکن دونوں خاندانوں میں مالی لحاظ سے زمین و آسمان کا فرق تھا۔ سید عرب کے گھر میں آسودگی اور مال و دولت کی فراوانی تھی جبکہ سید علی بخاری نان جویں کا محتاج تھا۔ جس کی وجہ سے سید علی بخاریؒ نے اس دنیاوی لحاظ سے بے جوڑ رشتہ سے انکار کیا مگر سید عرب مصر رہا کہ میری نظروں میں زلیخا کے لیے اگر کوئی موزوں لڑکا ہے تو وہ یہی ہے۔ جو اگر چہ خالی ہاتھ ہے لیکن فقر وقناعت زہد وتقویٰ اور کردار کی دولت سے مالا مال ہے۔ آخر یہ رشتہ طے پایا اور 615 ہجری میں بی بی زلیخاؒ بیاہ دی گئی۔ بی بی زلیخاؒ کی شادی کے اگلے سال 616 ہجری میں سید عرب اس جہاں سے سدھارے۔ رخصت ہوتے وقت اس کو یہ اطمینان تھا کہ انہوں نے اپنی بیٹی کی شادی کا جو فیصلہ کیا تھا وہ ہر لحاظ سے موزوں اور تسلی بخش تھا اور وہ اس بار سے بطریقہ احسن سبکدوش ہوئے ہیں۔

نئے گھر میں ان آسائشوں کا تصور تک محال تھا جو بی بی زلیخاؒ کو والدین کے گھر میسر تھیں۔ مگر وہ بہت قبل ان آسائشوں کو ٹھکرا کر خدا سے لو لگا چکی تھیں۔ اس لیے شوہر کے گھر کا فقر وفاقہ ان کے لیے کوئی مشکل یا انہونی بات نہ تھی۔ شادی کے بعد اب بی بی زلیخاؒ نے عبادت

وریاضت کے ساتھ شوہر کی رضا کو بھی مقدم رکھا۔ گھر کے کام کاج خود کرتی اور جب فرصت ملتی تو اپنے خدا کے آگے سر بسجود ہوتیں۔ تنگدستی کی وجہ سے ان کے شوہر کبھی کبھار بڑی خلش محسوس کرتے تھے۔ مگر آپؒ ہمیشہ شوہر کا حوصلہ بڑھا دیتی تھیں۔ اس تنگی ترشی کو امر ربی سمجھ کر بہ رضا و رغبت برداشت کرنے کا مشورہ دیتی تھیں۔ آخر قسمت کا پانسا پلٹا اور سید احمد بخاری کے علم زہد و تقویٰ کا چرچا سلطان شمس الدین التمش تک پہنچا اور انہوں نے آپ کو بدایوں کے عہدہ قضا کے منصب جلیلہ پر فائز کر دیا۔ آپ کی عدل وانصاف کی وجہ سے بہت جلد پورا علاقہ امن وامان کا گہوارہ بنا کیونکہ عدل وانصاف کے تقاضوں کو پورا کرتے وقت آپ کسی کو خاطر میں نہیں لاتے تھے۔ جس کا خاطر خواہ اثر ہوا۔ چور اچکے بعض تو راہ راست پر آ گئے۔ بعض پابند سلاسل ہوئے تو بعض نے آپ کے خوف کی وجہ سے دوسرے علاقوں کا رخ کر لیا اور یوں آپ کے علاقہ میں مثالی امن وامان قائم ہوا۔ شاہی ملازمت کی وجہ سے ان کے گھر کی مالی حالت بھی فی حد تک سنبھلی اور پہلی بار آپ نے گھریلو کام کاج کے لیے ایک ملازمہ بھی رکھ لی۔ جس کی سے بی بی زلیخاؒ کو اب عبادت کے لیے کافی وقت ملنے لگا۔

بی بی زلیخاؒ کی ازدواجی زندگی اگرچہ کافی پرسکون تھی۔ تنگدستی بھی رفع ہو چکی تھی۔ مگر پھر گھر پر ایک اداسی چھائے رہتی تھی۔ کیونکہ پندرہ سال گزرنے کے باوجود ان کا صحن بچوں کی لکاریوں سے محروم رہا۔ جس کی وجہ سے سید احمد بخاریؒ کبھی کبھار دل گرفتہ ہوتے تھے اپنے شوہر کو دیکھ کر وہ بھی اداس ہو جاتی مگر رحمت خداوندی سے مایوس نہ تھی۔ آخر ان کی دعائیں مناجاتیں رنگ لائیں اور 636 ہجری میں بی بی زلیخاؒ کے بطن سے ایک ایسے بچے نے جنم لیا جس کے چہرے کے نور سے گھر کے در و بام چمک اٹھے۔

بچے کی ماں زاہدہ وعابدہ تھیں۔ باپ مرد صالح اور صاحب کردار تھا۔ رزق حلال کا خاص اہتمام تھا۔ ان سب کے نیک اثرات بچے کی پیدائش کے ساتھ ہی عیاں تھے۔ بچے کا نام ''محمد'' رکھا گیا۔ مگر تاریخ میں اس بچے نے نظام الدین اولیاءؒ کے نام سے شہرت پائی اور ''محبوب الٰہی'' کے لقب سے سارے عالم میں مشہور ہوئے۔ اس نیک بچے کی ولادت کے ٹھیک ایک

Marfat.com

سال بعد ایک اور بچی نے جنم لیا اور اب ان کا گھر حقیقی معنوں میں خوشیوں کا گہوارہ بنا۔

پانچ سال پلک جھپکنے میں گزرے۔ ننھا ''محمد'' اب کتابیں پڑھنے لگا تھا۔ ان کی ذہانت فطانت اس کے روشن مستقبل کی گواہی دے رہی تھی۔ کہ اچانک سید احمد بخاریؒ بستر علالت پر دراز ہو گئے۔ قاضی شہر ہونے کے ناطے شاہی طبیب بھی علاج کے لیے آئے مگر مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی، یہاں تک کہ آپ نے داعی اجل کو لبیک کہا۔ بیس سالہ ازدواجی زندگی میں یہ سب سے بڑا صدمہ تھا جو بی بی زلیخاؒ کو جھیلنا پڑا۔ اس وقت نظام الدین اولیاءؒ کی عمر پانچ سال تھی۔ وفات کے بعد سید علی بخاریؒ کو بدایوں میں ایک بہت بڑے تالاب ''ساگرتال'' کے قریب سپرد خاک کیا گیا۔ مزار پر بعد میں روہیل کھنڈ کے حکمران حافظ رحمت خان روہیلہ نے گنبد بنایا، چار دیواری تعمیر کی اور اس کے ساتھ ایک مسجد بھی بنوائی۔

شوہر کی وفات کے ساتھ ہی گھر کی شادمانی رخصت ہوگئی کیونکہ میاں بیوی دونوں اللہ والے تھے۔ کل کیلئے کبھی کچھ بچا کر نہ رکھا۔ اس لیے اب پھر مالی تنگدستیوں نے آ گھیرا۔ دو بچوں اور ایک بوڑھی ملازمہ کی کفالت کا بوجھ اگر آپ کو اٹھانا تھا تو اس کے ساتھ بچوں کی تعلیم و تربیت کی ذمہ داری نبھانی تھی۔ جس کو آپ نے نبھایا اور خوب نبھایا۔

شوہر کی وفات کے بعد آپ کے بھائیوں نے آپ کی مالی اعانت کرنا چاہی لیکن آپ بہت غیور اور خوددار خاتون تھیں۔ اس لیے آپؒ نے نہایت احسن طریقے سے ان کا شکریہ ادا کیا اور ان کی مال و دولت کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھا تک نہیں۔ گھر کا خرچہ چلانے کے لیے آپؒ نے سوت کاتنا شروع کیا اور جب سوت کاتتیں تو پھر اس کو ملازمہ کے ہاتھوں بازار میں فروخت کرنے کے لیے بھیج دیتی تھیں اور اس سے جو تھوڑی بہت رقم مل جاتی۔ اس پر گزر بسر ہوتی مگر یہ آمدنی اتنی قلیل تھی کہ باوجود سخت مشقت کے ہفتہ میں ایک دو فاقوں کا سامنا کرنا پڑتا تھا مگر اس قدر شدید غربت تنگدستی اور مفلسی کے باوجود آپؒ نے اپنے بچوں کی تعلیم و تربیت سے ذرا بھی غفلت نہیں برتی۔ یہ ان کی تربیت کا اعجاز تھا کہ بہت کم عمری میں نظام الدین کو علماء کی محفلوں میں ''بحاث شکن'' یعنی محفل شکن کا خطاب ملا اور بڑے بڑے علماء و

Marfat.com

فضلاء علمی بحث ومباحثہ میں آپ کے سامنے پانی بھرنے لگے تھے اور جب راہ سلوک میں قدم رکھا تو وہ مدارج طے کیے کہ دوسرے عمر بھر محنت وریاضت کے باوجود اس سے محروم رہے کیونکہ ان کے پیچھے بی بی زلیخاؒ جیسی ماں کی دعائیں اور تعلیم وتربیت نہ تھی۔ اگر بی بی زلیخاؒ چاہتی تو اپنے بیٹے کو اپنے بھائیوں کے ساتھ کاروبار اور تجارت میں لگا کر خوب کما سکتی تھیں جس سے نہ صرف گھریلو اخراجات بہ آسانی پورے ہو سکتے بلکہ آپؒ کو عسرت کا سامنا بھی نہیں کرنا پڑتا مگر آپؒ نے متاع دنیا کی بجائے متاع دین کو پسند فرمایا اور ان کی اس انداز سے تربیت کی کہ بچپن ہی سے محبوب الٰہی کو دنیا سے اس قدر مستغنی کر دیا کہ اب بھی مورخ لکھتے وقت عش عش کر اٹھتے ہیں۔

ذرائع آمدن نہ ہونے کے سبب ہفتے میں ضرور ایک دو بار فاقے کا سامنا کرنا پڑتا تھا۔ اس لیے جس دن گھر میں کھانے کے لیے کچھ نہ ہوتا تو بی بی زلیخاؒ اپنے ہونہار فرزند سے فرماتی ''بابا نظام آج ہم اللہ کے مہمان ہیں'' کم سنی کے باوجود نظام الدین اولیاءؒ کی زبان مبارک پر کبھی حرف شکایت نہ آتا بلکہ بھولا بھالا نظامؒ اس مہمانی کا اس قدر شائق تھا اور دل میں ہمیشہ یہی خواہش رہتی کہ پھر وہ دن کب آئے گا جب اماں کہیں گی کہ بابا نظام آج ہم پھر اللہ کے مہمان ہیں''۔

بی بی زلیخاؒ نے بابا نظام کے ابتدائی تعلیم کے لیے مولانا اعلاء الدین اصولی کو منتخب کیا تھا جس نے آپؒ کو نہایت دلجمعی سے پڑھایا۔ دس سال کی عمر میں قرآن بھی حفظ کرایا جب آپؒ کی تعلیم کا یہ مرحلہ مکمل ہوا اور دستار فضیلت سر پر باندھنے کا وقت آیا تو باوجود سخت مالی تنگدستی اور غربت کے آپؒ نے تمام شہر کے علماء وفضلاء کو جمع کر کے اپنے حق حلال کی کمائی سے ان کی دعوت کی۔ بابا نظام کے دستار کے لیے باوضو ہو کر سوت کاتا اور کپڑا بنوایا جس کی پگڑی آپؒ کے سر پر بندھوائی گئی۔ دستار بندی کی تقریب میں خواجہ علیؒ (جو شیخ جلال الدین تبریزی کے مرید تھے) بھی تشریف فرما تھے وہ ایک صاحب کرامت بزرگ اور برگزیدہ شخصیت تھے۔ نظام الدین اولیاءؒ نے ادب سے دستار ان کی طرف بڑھایا جو انہوں نے تمام بزرگوں کے سامنے آپؒ کے سر پر رکھی اس کا ایک سرا اپنے ہاتھ میں پکڑا اور دوسرا سلطان المشائخ کو تھما دیا اور اس

Marfat.com

طرح شروع ہی میں علوم ظاہری کے ساتھ آپؒ نے علوم باطنی سے بھی رشتہ جوڑا۔ مزید تعلیم کے لیے سولہ سال کی عمر میں بابا نظامؒ نے اپنی والدہ کی معیت میں دہلی کا سفر اختیار کیا۔

اس وقت دہلی میں مختلف علوم وفنون کے کاملین جمع تھے اور دہلی صحیح معنوں میں عالم میں انتخاب بن چکا تھا۔ دور دراز سے تشنگان علم یہاں پیاس بجھانے کے لیے آتے تھے۔ اس لیے بی بی زلیخاؒ بھی آپؒ کو یہاں لے آئی تاکہ علوم ظاہری کے ساتھ علوم باطنی میں سے بھی آپؒ مالا مال ہو جائیں۔

دہلی میں غالباً سب سے پہلے آپؒ نے مولانا شمس الدین خوارزمی کے آگے زانوئے تلمذ تہہ کیا۔ اس کے بعد مولانا کمال الدینؒ زاہدؒ کے شاگرد بنے جو اسم بامسمیٰ تھے۔ زہد کے حقیقی اور عملی تفسیر تھے۔ اس سے بابا نظام نے علم حدیث کی تحصیل کی۔

بی بی زلیخاؒ نے بابا نظام کے تعلیم وتربیت اور حصول علم کے دوران جتنے مصائب کو برداشت کیا اور جتنی سختیوں کو جھیلا تھا۔ وہ بابا نظامؒ سے مخفی نہ تھیں۔ اس لیے ہم دیکھتے ہیں کہ نظام الدین اولیاؒء اپنی والدہ کا ذکر ہمیشہ نہایت احترام سے کرتے تھے۔ ان کو نہ صرف مثالی ماں بلکہ ان کا شمار اولیاء اللہ میں کیا کرتے تھے۔ آپؒ اپنی والدہ کے بارے میں فرماتے ہیں:

''میری والدہ ایک خدارسیدہ خاتون تھیں۔ ان کو جب بھی کوئی مشکل پیش آتی تو وہ اس کا حل خواب میں دیکھ لیتی تھیں اور پھر میری والدہ کو اللہ کی طرف سے اختیار دیا جاتا اور وہ مشکل رفع ہو جاتی تھی۔''

میری والدہ بڑی بصیرت افروز تھیں۔ وہ اکثر میرے پاؤں دیکھ کر فرماتیں کہ میں تجھ میں نیک بختی اور سعادت کی علامتیں دیکھتی ہوں۔ تیرا مستقبل بہت تابناک ہے۔ حالانکہ ان دنوں میں ہم بڑی تنگی ترشی سے گزر بسر کر رہے تھے۔ ایک بار میں نے کہا:

''اماں جی! آپ میری نیک بختی، روشن اور تابناک مستقبل کی خواب دیکھ رہی ہیں لیکن مجھے تو اس کے کوئی آثار نظر نہیں آتے۔ تو آپؒ فرماتی۔ بابا نظام تم عنقریب اس خواب کی حقیقی تعبیر دیکھ لو گے۔ لیکن یہ اس وقت ہوگا جب میں دنیا سے رخصت ہو چکی ہوں گی۔ چنانچہ ایسا

Marfat.com

ہی ہوا۔ اب بھی جب مجھے کوئی مشکل یا رکاوٹ پیش آتی ہے تو میں اپنی والدہ کی قبر پر جا کر عرض کرتا ہوں اور عموماً ایک ہفتے یا زیادہ سے زیادہ ایک مہینے میں وہ ضرورت پوری ہو جاتی ہے۔

آپؒ فرماتے ہیں کہ میری والدہ کو جب بھی کوئی مشکل یا ضرورت پیش آتی تو وہ پانچ سو مرتبہ درود شریف پڑھتیں، اس کے بعد دعا کے لیے خدا کے حضور دامن پھیلاتیں اور خدا کے فضل سے ویسا ہی ہوتا جیسا کہ والدہ صاحبہ چاہتی تھیں۔

ایک دفعہ میری والدہ کی کنیز بھاگ گئیں۔ گھر میں کوئی خدمت گار نہ تھا۔ والدہ صاحبہ ضعیف اور کمزور تھیں۔ گھر کے کام کاج کے قابل نہ تھیں۔ آپؒ اسی وقت مصلیٰ بچھا کر بیٹھ گئیں اور فرمایا: کنیز بھاگ گئی ہے۔ میں ضعیف اور کام کاج کے قابل نہیں۔ میں یہ عہد کرتی ہوں کہ جب تک کنیز نہ آئے میں اس وقت تک آپ کے سامنے دامن پھیلائے بیٹھی رہوں گی۔ میں والدہ کی بات سن کر متفکر ہوا کہ اچانک دروازے پر دستک ہوئی میں نے دروازہ کھول کر دیکھا تو ایک اجنبی شخص ہماری کنیز کے ہمراہ کھڑا تھا۔ انہوں نے کہا: یہ آپ کی وہ کنیز ہے جو بھاگ گئی تھی۔ اسے گھر لے جایئے۔

دہلی میں بی بی زلیخاؒ بابا فرید گنج شکرؒ کے چھوٹے بھائی شیخ نجیب الدین متوکلؒ کے پڑوس میں رہتی تھیں۔ نظام الدین اولیاءؒ نے اس وقت اگرچہ بابا فرید سے بیعت نہیں کی تھی مگر اس کے تمنائی تھے۔ شیخ نجیب الدین متوکلؒ سے آپ کے گھرانے کے خوشگوار دوستانہ تعلقات تھے کہ بی بی زلیخاؒ بیمار ہوئیں۔

حضرت نظام الدین اولیاؒ کا یہ معمول تھا کہ نیا چاند دیکھ کر وہ اسی وقت اپنی والدہ کی قدم بوسی کے لیے حاضر ہوتے تھے۔ ان دنوں اگرچہ بی بی زلیخاؒ بیمار تھیں، مگر بیماری اتنی شدید نہ تھی کہ رخصت ہو جانے کا سوچا جا سکے۔ مگر اس دفعہ جب نیا چاند نظر آیا اور بابا نظامؒ آپ کی قدم بوسی کے لیے حاضر ہوئے تو آپؒ نے پھیکے مسکراہٹ سے فرمایا: ''سید محمد'' آئندہ ماہ رویت ہلال کے موقع پر کس کی قدم بوسی کرو گے''۔

سوال بڑا عجیب تھا۔ آپ سمجھ گئے کہ والدہ صاحب کا وقت وصال قریب آ پہنچا ہے۔

والدہ ماجدہ کی جدائی کے تصور سے آپؒ کانپ اٹھے اور زار و قطار رونے لگے کیونکہ دہلی میں اس وقت یہی آپ کی حقیقی خیر خواہ اور غمخوار تھیں۔ آپؒ نے روہانسا ہو کر کہا: اماں! آپؒ مجھ غریب الدیار کو کس کے سپرد کر رہی ہیں۔ تو بی بی زلیخاؒ نے فرمایا: میں کل تمہیں اس کا جواب دوں گی۔ پھر کچھ سکوت کے بعد فرمایا: سید محمد! آج رات تم شیخ متوکلؒ کے یہاں گزارو۔ حضرت نظام الدین اولیاءؒ بادلِ نخواستہ اٹھ کر چلے گئے۔ شیخ نجیب الدین متوکلؒ کو بھی سارا واقعہ سنایا تو وہ بھی سناٹے میں آ گئے۔ رات بھر بابا نظام ذہنی کرب اور خلجان میں مبتلا رہے کہ کچھ ہونے والا ہے۔ آخر شب کے قریب بی بی زلیخاؒ نے نظام الدین اولیاءؒ کو بلانے کے لیے باندی کو بھیجا۔ باندی کو دیکھ کر بابا نظامؒ کے آنکھوں تلے اندھیرا چھا گیا اور پوچھا کہ والدہ صاحبہ رخصت ہو گئیں؟ تو باندی نے نفی میں جواب دیتے ہوئے کہا کہ اس نے تمہیں یاد فرمایا ہے۔ آپؒ فوراً دوڑے اور والدہ صاحبہ کی خدمت میں پہنچے اور چارپائی کے پاس بیٹھ گئے۔ اس وقت بی بی زلیخاؒ کی بینائی زائل ہو چکی تھی۔ بی بی زلیخاؒ نے کہا: بابا نظام! رات کو تم نے ایک بات پوچھی تھی اور میں نے اس بات کا جواب دینے کا وعدہ کیا تھا۔ اب میں تمہیں اس بات کا جواب دیتی ہوں۔ میری بات غور سے سنو پھر انہوں نے ٹٹول کر پوچھا: بیٹا! تمہارا داہنا ہاتھ کونسا ہے؟ بابا نظامؒ نے اپنا داہنا ہاتھ بڑھایا تو بی بی زلیخاؒ نے اس کو تھام لیا جس کی حدت اس کی رگ و پے میں سرایت کر گئی اور پھر ممتا بھرے لہجے میں فرمایا:

اے خدا! میں اپنے اس بیٹے کو تیرے سپرد کرتی ہوں۔ یہ کہہ کر اس نے کلمہ شہادت پڑھا اور انتقال فرما گئیں۔

نظام الدین اولیاءؒ فرماتے ہیں کہ جس انداز سے میری والدہ نے میرے سوال کا جواب دیا اور جس انداز سے انہوں نے مجھے خدا کے سپرد کیا۔ اس پر میں نے اپنے رب کا شکر خود پر واجب سمجھا۔ کیونکہ اگر میری والدہ زر و جواہر سے بھرا ہوا پورا گھر بھی میراث میں چھوڑتیں، میں اس پر کبھی اتنا خوش اور مطمئن نہیں ہوتا جس قدر ان کلموں سے ہوا جو انہوں نے آخری وقت میں میرے لیے فرمائے۔

Marfat.com

بی بی زلیخاؒ کی تاریخ وفات غالباً 34-633 ہجری کے درمیان ہے کیونکہ بی بی زلیخاؒ کی وفات کے وقت حضرت نظام الدین اولیاءؒ کی عمر مبارک بیس سال سے کم تھی۔

امیر حسن سنجری ''فوائد الفوائد'' میں تحریر فرماتے ہیں کہ جب بھی نظام الدین اولیاءؒ کے سامنے ان کی والدہ ماجدہ کا ذکر آتا تو پیر و مرشد کی حالت غیر ہو جاتی آپؒ پر اس قدر گریہ طاری ہوتا کہ آپ کے لیے بات کرنا بھی مشکل اور دشوار ہو جاتا۔ پاس بیٹھے ہوئے لوگ بھی یہ جاننے سے قاصر رہتے کہ حضرت شیخ کیا فرما رہے ہیں۔

باوجود صاحب کرامت اور ایک عظیم المرتبت ولی اللہ ہونے کے ''محبوب الٰہی'' کو جب بھی کوئی مشکل پیش آتی تو اپنی والدہ ماجدہ کی قبر کی زیارت کے لیے تشریف لے جاتے اور مصیبت رفع کرنے کی دعا مانگتے تھے۔

سلطان قطب الدین بن علاؤ الدین خلجی کو اپنے آخری زمانے میں اپنے بعض مشیروں نے بہکایا جو حضرت نظام الدین اولیاءؒ سے بغض رکھتے تھے۔ بادشاہ ان کی باتوں میں آیا اور محبوب الٰہی سے بدظن ہوا اور تکلیف پہنچانے کے لیے بہانے ڈھونڈنے لگا۔ اس نے ایک مسجد ''جامع مسجد میری'' تعمیر کروائی۔ مسجد کے مکمل ہونے کے بعد اس نے پہلے افتتاحی نماز جمعہ کے لیے شہر کے تمام علماء و مشائخ کو طلب کیا وہ سب اس نئی مسجد میں نماز جمعہ ادا کریں۔ مگر نظام الدین اولیاءؒ چونکہ شاہی درباروں اور امراء سے دور بھاگتے تھے۔ انہوں نے شاہی ہرکارے سے فرمایا کہ ہمارے قریب جو مسجد ہے، اس کا حق ہم پر زیادہ ہے۔ اس لیے ہم اپنے محلے کی مسجد میں نماز جمعہ ادا کریں گے۔ ''جامع مسجد میری'' حاضر نہیں ہو سکیں گے۔ اس بات پر سلطان قطب الدین بہت برا مان گیا۔ علاوہ ازیں سلطان کی بدظنی کا ایک اور سبب یہ بھی تھا کہ ہر چاند کی پہلی تاریخ کو دہلی کے تمام ائمہ و مشائخ دیگر امراء اور شاہی حکام شاہی دربار میں نئے چاند کی تہنیت اور مبارک باد دینے کے لیے بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے لیکن سلطان المشائخ اس سے گریز فرماتے تھے اور اس موقع پر اپنا کوئی خاص خادم بھیج دیتے تھے۔ جس کی وجہ سے آپ کے حاسدوں اور دشمنوں نے سلطان کے کان بھر لیے اور انہوں نے کہا کہ نظام

Marfat.com

الدینؒ میرے حکم کے باوجود ''مسجد میری'' میں نماز جمعہ ادا کرنے کے لیے نہیں آئے۔ ہر ماہ رویت ہلال کے موقع پر تہنیت اور مبارک باد دینے کے لیے خود نہیں آتے بلکہ اپنا خادم بھیج دیتے ہیں۔ یہ سب شاہی آداب کے خلاف اور بغاوت ہے۔ آئندہ ماہ کی چاند کی پہلی تاریخ کو اگر سلطان المشائخ تہنیت اور مبارک باد دینے کے لیے خود نہیں آئے تو میں ان کو زبردستی بلواؤں گا۔ سلطان قطب الدین جو کہ نہایت مغرور، ظالم، جابر، ہٹ دھرم اور خود پرست انسان تھا اس سے یہ بعید نہ تھا کیونکہ جو کچھ وہ کہتا تھا موقعہ ملنے پر اس پر عمل بھی کرتا تھا۔ اس لیے بعض خیر خواہوں اور چند مخلص شاہی مقربین نے یہ بات آپؒ تک پہنچائی کہ اس سے قبل کہ آپؒ کو اذیت پہنچے۔ نئے چاند کی رات کو شاہی دربار میں تشریف لا کر بدمزگی سے بچیئے۔ مگر آپؒ نے کچھ نہیں کہا اور اسی رات بی بی زلیخاؒ کی زیارت کے لیے تشریف لے گئے اور عرض کیا:

والدہ محترمہ! بادشاہ نے مجھے ایذاء پہنچانے کا مصمم ارادہ کیا ہوا ہے۔ آئندہ ماہ کے نئے چاند رات کو اگر وہ اپنے کیفر کردار تک نہیں پہنچا تو میں پھر آپ کی زیارت کے لیے نہیں آؤں گا۔ اس ناز و نیاز جو ایک بچے کو اپنی ماں سے ہوتا ہے۔ آپ نے ٹھیک اسی طرح ایک بچے کی طرح ضد کر کے بی بی زلیخاؒ کے مزار پر یہ بات کہی اور گھر چلے آئے۔

آپؒ کے مرید اور خدام بادشاہ کے اس ارادے کے سبب سخت ہراساں اور خوفزدہ تھے۔ مگر آپؒ بے فکر اور مطمئن تھے۔ آپؒ نے فرمایا کہ میں نے اپنی والدہ سے سب کچھ عرض کر دیا ہے۔ اب میں منتظر ہوں کہ غیب سے کیا ظہور میں آتا ہے۔

جب مہینہ پورا ہوا اور کل چاند کی پہلی تاریخ تھی، لوگ منتظر تھے کہ بادشاہ کی طرف سے سلطان المشائخ کو طلب کیا جائے گا۔ دیکھتے ہیں کہ کیا صورت حال پیش آتی ہے۔ ٹھیک اس رات کو خسرو خان نے اچانک بغاوت کر کے سلطان قطب الدین کا سر تن سے جدا کر دیا۔ اس کے دھڑ کو محل کے اوپر سے نیچے سڑک پر پھینک دیا جبکہ اس کے سر کو نیزے پر چڑھا کر تمام خلق کو دکھانے کے لیے محل کے ایک کونے پر گاڑ دیا۔

-☆-

حضرۃ بی بی راستیؒ اُم رکن شاہ عالمؒ

فرغانہ کی شہزادی بی بی راستیؒ اپنے حسن و جمال میں یکتا تھی۔اس کے حسن کے قصے دور دور تک مشہور تھے۔ان کے حسن وخوبصورتی کا شہرہ سن کر آس پاس پڑوس کے کئی شہزادے اور امراء ان سے عقد کے متمنی تھے۔لیکن شہزادی کی نظروں میں کوئی نہیں جچتا تھا۔اس نے ہر ایک کا رشتہ ٹھکرایا کیونکہ وہ عام شہزادیوں سے بہت مختلف طبع کی مالک تھی۔محل کی پرورش،امیرزادیوں کی چونچلوں،نخروں،نزاکتوں سے وہ مبرا تھی۔نہ وہ اپنی چال پر مغرور تھی نہ وہ اپنے حسن پر نازاں تھی بلکہ وہ مستانہ تغافل والی الھڑ دوشیزاؤں کے برعکس انتہائی متقی پرہیز گار اور عبادت گزار تھی۔زیورات،ملبوسات اور دیگر آسائشوں سے ماورا وہ محل کے ایک گوشہ میں سادہ پروقار لباس میں ملبوس اکثر ذکر واذکار میں مشغول نظر آتی تھی۔وہ بہت کم عمری میں اپنی ریاضت وعبادت کے باعث سلوک کے راستہ مقام ناسوت کو عبور کر کے عالم ملکوت میں داخل ہو چکی تھی۔اس لیے ان کی نظروں میں دنیاوی امور میں الجھے یہ شہزادے امیرزادے کسی طور پر پورا نہیں اترتے تھے۔شہزادی کے والد سلطان جمال الدین باوجود تاج وتخت کے مالک ہونے کے ایک درویش صفت باکمال بزرگ تھے۔وہ اپنی بیٹی کی منشا کو بخوبی سمجھتے تھے لیکن پھر بھی ایک باپ ہونے کے ناطے یہ ان کی دلی خواہش تھی کہ کسی طرح وہ ان کے فرض سے سبکدوش ہو جائیں،وہ بہرحال اپنا فرض ادا کرنا چاہتا تھا۔بار بار رشتے آرہے تھے اور نبی کریمؐ کا ارشاد گرامی ان کے سامنے تھا کہ تمہارے پاس کسی دیندار اور بااخلاق لڑکے کا رشتہ آئے تو تم اس رشتے کو قبول کرلو،ورنہ زمین میں فتنے اور بڑے بڑے فسادات ظاہر ہوں گے(جامع ترمذی)

ان رشتوں میں دیندار لڑکے اگرچہ بہت کم تھے لیکن بہت کم لڑکے ایسے تھے جن کے کردار پر انگلی اٹھائی جا سکتی تھی۔ وہ چاہتا تھا کہ بی بی راستی کسی مناسب رشتے کو پسند کر لے اور ان کے کندھوں پر لدا ہوا بوجھ اتر جائے۔ لیکن مصیبت یہ تھی کہ جب بھی کسی موقع پر رشتہ کی بات شروع ہوتی تو شہزادی ہر بار نہایت عمدہ طریقے سے بات کو ٹال دیتی تھیں۔ جس کی وجہ سے تنگ آ کر ایک دن سلطان جمال الدین نے خود اپنی بیٹی سے بات کی اور اپنا مدعا کھول کر بیان کیا۔ تو بی بی راستیؒ نے سر جھکا کر نہایت ادب سے کہا:

باوا جان! آپ کیوں میرے بارے میں اس قدر فکر مند ہوتے ہیں، میرا حال ان سے مخفی نہیں۔ جب ان کی مرضی ہوگی تب یہ کام بھی انجام پائے گا۔ ہمیں خدا کے حکم کا انتظار کرنا چاہیے۔ سلطان شہزادی کے اس منطق کے آگے لاجواب ہوا اور مجبوراً خاموش ہو گیا۔ مگر بیٹی کے بارے میں فکر مند پھر بھی تھا۔

شہزادی بی بی راستیؒ کا معمول تھا کہ وہ ہر سال پابندی سے حج و عمرہ کے لیے مکہ مکرمہ جایا کرتی تھیں۔ حج و عمرے سے فارغ ہونے کے بعد وہ روزانہ خانہ کعبہ کا طواف کرتی اور طواف کعبہ کے بعد مسجد حرم کے ایک کونے میں بیٹھ کر ذکر واذکار اور وظائف کا ورد کرتی تھیں۔ ایک دن بی بی راستیؒ خانہ کعبہ کا طواف کر رہی تھی کہ انہوں نے ایک نوجوان رعنا کو دیکھا جو نہ صرف مردانہ وجاہت کا نمونہ تھا بلکہ ان کے چہرے سے ان کے کردار کی پارسائی بھی عیاں تھیں۔ بی بی راستیؒ کو اس نوجوان کی پشت سے نور کی شعاعیں منعکس ہوتی ہوئی نظر آ رہی تھیں۔ یوں معلوم ہو رہا تھا جیسے نور کا چشمہ پھوٹا ہو۔ یہ اس امر کی علامت تھی کہ اس نوجوان کے صلب میں کوئی ایسا وجود پوشیدہ ہے جو اپنے دور کا قطب الاقطاب ہوگا۔ بی بی راستیؒ کو محسوس ہوا کہ خدائی فیصلے کا وقت آ پہنچا ہے جس کی وہ منتظر تھی۔ طواف سے فراغت کے بعد بی بی راستیؒ نے ذرا جھجکتے ہوئے اس نوجوان سے پوچھا:

کیا میں جناب کا اسم شریف پوچھ سکتی ہوں؟

نوجوان کو ذرا تعجب ہوا کہ یہ بی بی کون ہے۔ جو جان پہچان کے بغیر نام پوچھ رہی ہے۔

لیکن یہ حرم شریف تھا۔ یہاں کسی کی نیت میں کھوٹ کے احتمال کا سوچا بھی نہیں جا سکتا تھا۔ میرا نام صدر الدین ہے اور میں ہندوستان کے شہر ملتان کا رہنے والا ہوں۔

یہ سن کر شہزادی بی بی راستیؒ نے پرمسرت لہجے میں کہا: تو گویا آپ حضرت بہاؤ الدین زکریاؒ کے شہر ملتان سے تشریف لائے ہیں۔

جی ہاں! اور مجھے یہ بھی فخر حاصل ہے کہ میں ان کا فرزند ہوں۔

یہ سن کر شہزادی نے حیرت و مسرت کے ملے جلے جذبات کے ساتھ سر اٹھا کر اس نوجوان کو دیکھا جو اس پر توجہ مرکوز کیے ہوئے تھا۔ کچھ دیر تامل کے بعد شہزادی نے پوچھا: کیا آپ شادی شدہ ہیں؟

جی نہیں! تا حال میں نا کتخدا ہوں۔ لیکن میں آپ کا مطلب سمجھا نہیں؟

شہزادی نے کسی قدر جھجک کر کہا: اگر آپ شادی کے خواہشمند ہیں تو میں ایک ایسے رشتے تک آپ کی رہنمائی کر سکتی ہوں جو ہر لحاظ سے آپ اور آپ کے خاندان کے لیے موزوں ہو گا۔

نوجوان صدر الدین نے استفسار طلب نظروں سے بی بی راستیؒ کی طرف دیکھا تو شہزادی نے جلدی سے کہا: کعبہ گواہ ہے کہ میں نے جو مناسب اور موزوں رشتے کے الفاظ کہے ہیں وہ غلط نہیں کہے ہیں۔

صدر الدین کوئی اناڑی ناسمجھ یا کج فکر نوجوان نہ تھا۔ وہ حضرت بہاؤ الدین زکریاؒ کے فرزند سعادت مند تھے۔ عقل و ذہانت اور فطانت میں ان کا ثانی نہ تھا۔ جن ہاتھوں میں ان کی پرورش ہوئی تھی وہ کوئی معمولی لوگ نہ تھے۔ فوراً بات کی تہہ تک پہنچ گیا اور حتمی لہجے میں کہنے لگا: محترمہ! جہاں تک میری شادی کا تعلق ہے۔ اس کا اختیار میرے والد کو ہے۔ وہ جو بھی فیصلہ کریں گے وہ مجھے قبول ہوگا۔ یہ ہمارے شرفاء کا دستور ہے کہ نوجوان اپنی مرضی اپنے بڑوں پر نہیں ٹھونستے۔ کیونکہ والدین کبھی اپنے بچوں کا برا نہیں چاہتے۔

اس ملاقات کے بعد اسی دن شہزادی بی بی راستیؒ نے فرغانہ واپسی کے لیے رخت سفر

Marfat.com

باندھا اور فرغانہ پہنچ کر پورا احوال اپنے والد کو سنایا۔ سلطان جمال الدین نے جب یہ سب کچھ سنا تو ذرا سکھ کا سانس لیا کہ چلو کوئی تو شہزادی کی نظروں میں جچا۔ چنانچہ انہوں نے موقع غنیمت سمجھتے ہوئے ملتان روانہ ہونے کے لیے تیاری شروع کی اور جلد ہی ملتان روانہ ہوا۔ منزلوں پر منزلیں طے کرتے ہوئے جب شاہی قافلہ ملتان کی حدود میں داخل ہوا تو حضرت بہاؤ الدین زکریاؒ اپنے خلفا کے ساتھ ان کے استقبال کے لیے باہر آئے اور شاہی مہمانوں کو انتہائی عزت واحترام کے ساتھ اپنی رہائش گاہ پر لے گئے۔ ان کی خوب خاطر مدارت کی دوسرے دن جب حضرت بہاؤ الدین زکریاؒ نے جمال الدین سے ملتان آمد کی غرض وغایت دریافت کی تو آپ نے صاف صاف لفظوں میں کہا، میری ایک بیٹی ہے۔ میری خواہش ہے کہ اس کی شادی کسی مخدوم زادے سے ہو جائے۔ یہ سن کر حضرت بہاؤ الدین زکریاؒ نے فرمایا: میرے سب بیٹے آپ کے سامنے ہیں۔ آپ جس کو اپنی فرزندی میں لینا چاہیں، انسے اپنا بیٹا بنا لیں، ہمیں کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔ یہ سن کر سلطان جمال الدین نے صدر الدین کی طرف نگاہ اٹھا کر دیکھا اور کہا میں اس کی خاطر اتنی مسافت طے کر کے یہاں آیا ہوں۔

حضرت بہاؤ الدین زکریاؒ نے فرمایا ہمیں معلوم ہے۔ پھر اپنے بیٹے صدر الدین کی طرف اشارہ کیا تو وہ فوراً اٹھ کر سلطان جمال الدین کے پاس ادب سے جا کر بیٹھ گئے۔ یہ ایک قسم کی اظہار رضامندی کا ثبوت تھا۔ چنانچہ پوری محفل میں مسرت وانبساط کی لہر دوڑ گئی۔ سب شرکاء نے مبارک باد دی حضرت بہاؤ الدین زکریاؒ نے نکاح پڑھوایا۔ سلطان جمال الدین نے بی بی راستیؒ کا ہاتھ صدر الدین کے ہاتھ میں دے دیا۔ حضرت بہاؤ الدین زکریاؒ نے شہزادی کے سر پر دست شفقت پھیرا اور خوشگوار ازدواجی زندگی اور روشن مستقبل کی دعائیں دیں اور ہنسی خوشی یہ شادی سرانجام پائی۔

حضرت بہاؤ الدین زکریاؒ کے ہاں یہ معمول تھا کہ وہ ہر قمری مہینے کی پہلی تاریخ کو اپنی تمام بہو بیٹیوں سے ملتے اور ان کو دعاؤں سے نوازتے تھے۔ ایک مرتبہ حسب معمول چاند کی پہلی رات تمام بہو بیٹیاں سلام کے لیے ان کے حجرے میں حاضر ہوئیں اور سلام کے بعد ایک

طرف ہو کر بیٹھ گئیں کہ بی بی راستیؒ بھی سلام کے عرض سے اندر داخل ہوئیں۔ ان کی آمد پر حضرت بہاؤ الدین زکریاؒ جلدی سے اپنی نشست سے احتراماً کھڑے ہو گئے اور تعظیماً ذرا سا جھک بھی گئے۔ یہ دیکھ کر سب کو بڑی حیرت ہوئی۔ بی بی راستیؒ کے چہرے پر سرخی چھا گئی اور انتہائی ندامت بھرے لہجے میں کہا: حضرت! یہ آپ کیا کر رہے ہیں۔ میں بھلا اس تعظیم کے قابل کہاں؟

حضرت بہاؤ الدین زکریاؒ نے فرمایا: بیٹی آپؒ کی زہد و پارسائی میں کوئی کلام نہیں۔ لیکن میرا یہ تعظیم اور کھڑا ہونا آپ کے لیے نہیں تھا۔ بلکہ یہ اس بچے کے لیے تھا جو آپ کے بطن میں انگڑائیاں لے رہا ہے۔ وہ ہمارے خاندان کا ایک ایسا روشن چراغ ہوگا جو اس خطے کی تقدیر بدل ڈالے گا۔ وہ اپنے دور کا قطب الاقطاب ہوگا، یہ احترام اور تعظیم اس آنے والے قطب الاقطاب کے لیے تھا۔

یہ سن کر بی بی راستیؒ کھل اٹھیں۔ حرم شریف میں صدر الدین کے پشت سے جس نور کو انہوں نے دیکھا تھا وہ خواب اب حقیقت بننے کو تھی۔ اس خوشی میں بی بی راستیؒ نے اپنا سارا اثاثہ اسی وقت غریب غرباء اور حاجت مندوں میں بانٹ دیا۔

حضرت بہاؤ الدین زکریاؒ بی بی راستیؒ کو بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھا کرتے تھے۔ انہوں نے آپؒ کو ''عصمت مآب'' اور ''پاک دامن'' کا خطاب مرحمت فرمایا تھا۔ کیونکہ آپ اپنے زہد و اتقا، نیکی و پارسائی ورع و عبادت میں یگانہ روزگار تھیں۔ قرآن پاک کی بھی حافظہ تھیں اور عملی زندگی میں بھی اس پر سختی سے کاربند تھیں۔ جس کا خاطر خواہ اثر محل کے تمام خادماؤں پر بھی پڑا اور وہ سب کی سب پابند صوم و صلوٰۃ ہو گئیں۔

گھر کا کام کاج آپؒ خود کیا کرتی تھیں۔ قصر غوثیہ جہاں پر حضرت بہاؤ الدین زکریاؒ کا قیام تھا۔ یتیم، بیوائیں، مفلس، بیمار، نادار عورتوں کے علاوہ امراء کی بہو بیٹیاں بھی کسب فیض کے لیے حضرت کی خدمت میں حاضری دیا کرتی تھیں۔ ان سب کی قیام و طعام اور دیکھ بھال کی تمام تر ذمہ داری آپ کے سر تھی۔ مگر ان تمام مصروفیات کے باوجود آپ اپنے سسر اور شوہر

Marfat.com

کا کھانا خود اپنے ہاتھوں سے تیار کرتی تھیں۔ سردی کے موسم میں ان کے وضو اور نماز تہجد کے لیے پانی گرم کر کے رکھتی اور کسی قسم کی تکلیف ان کو نہ ہونے دیتی تھیں۔

9 رمضان المبارک 649 ہجری بروز جمعہ حضرت بہاؤ الدین زکریاؒ کی پیش گوئی پوری ہوئی اور آپ کے بطن سے اس جلیل القدر بچے نے جنم لیا جس کو دنیا شیخ رکن الدین عالم ابوالفتح ملتانیؒ کے نام سے جانتی ہے۔ آپؒ نے نومولود کے تعلیم و تربیت میں نہایت حزم و احتیاط سے کام لیا۔ ہمیشہ باوضو ہو کر اس کو دودھ پلایا۔ آپؒ نے عام عورتوں کی روش کے برعکس باپردہ بچے کو دودھ پلاتی اور دودھ پلاتے وقت لوری دینے کی بجائے قرآن پاک کی تلاوت کیا کرتی تھیں۔

خواتین اولیاء میں آپ کو یہ امتیاز حاصل ہے کہ آپؒ ایک بادشاہ کی بیٹی تھیں مگر آپؒ نے شاہی محل مال و دولت کو ٹھکرا کر فقر کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنایا۔ آپؒ کے سسر ایک عظیم المرتبت ولی تھے آپ کے بیٹے کا شمار اولیاء کبار میں ہوتا ہے جبکہ آپؒ خود سلسلہ سہروردیہ میں ایک بلند مرتبہ ولیہ تھیں۔ آپؒ نے اپنے سسر حضرت بہاؤ الدین زکریاؒ کے دست حق پر بیعت کیا ہوا تھا۔ آپؒ نے اپنے شوہر کی حیات ہی میں انتقال فرمایا اور آپؒ کو اس عالی شان محل اور باغ کے بیچ سپرد خاک کر دیا گیا جہاں ملتان آمد کے بعد سب سے پہلے حضرت بہاؤ الدین زکریاؒ کی مہمان بن کر اُتریں تھیں۔ آج آپؒ کا مزار مبارک ملتان شہر کے ریلوے سٹیشن کے جنوب کی طرف قبرستان بی بی پاک دامن میں واقع ہے۔ لفظ مخدومہ سے آپؒ کی تاریخ وصال 695 ہجری برآمد ہوتی ہے۔

-☆-

بنات بابا فرید الدین گنج شکرؒ

شیوخ العالم بابا فرید الدین گنج شکرؒ کی اولاد پانچ بیٹوں اور تین بیٹیوں پر مشتمل تھی۔ امیر خورد نے آپؒ کی بیٹیوں کے نام بی بی مستورہؒ، بی بی شریفہؒ اور بی بی فاطمہؒ بیان کئے ہیں اور لکھا ہے کہ یہ تینوں بیبیاں اپنے والد اور اپنی دادی قرسم خاتونؒ کی طرح اپنی زہد و تقویٰ میں اپنی مثال آپ تھیں اور اللہ والیاں تھیں۔

بی بی مستورہؒ نے اپنے والد سے کسب فیض کیا تھا۔ آپؒ شریعت کی بڑی پابند اور صاحب کرامات تھیں۔ صالحات عابدات میں آپ ایک منفرد مقام پر فائز تھیں۔ خواتین میں دعوت و تبلیغ واصلاح کا فریضہ آپؒ نے بڑی تندہی سے سرانجام دیا تھا۔

بی بی شریفہؒ کے زہد و تقویٰ اور تصوف میں اعلیٰ مقام کا اندازہ بابا فریدؒ کے ان الفاظ سے لگایا جا سکتا ہے کہ اگر عورتوں کو خلافت اور سجادہ مشخیت دینا جائز ہوتا تو میں بی بی شریفہؒ کو دے دیتا۔ اگر تمام عورتیں بی بی شریفہؒ جیسی ہوتیں تو عورتیں مردوں پر سبقت لے جاتیں۔

آپؒ شادی کے بعد جلد ہی بیوہ ہوئیں۔ اس وقت آپؒ نوجوان تھیں، رشتوں کی کوئی کمی نہ تھی مگر آپؒ نے عقد ثانی سے گریز کیا اور فرمایا کہ نکاح ایک سنت تھی جو میں نے ادا فرمائی۔

بیوہ ہونے کے بعد آپؒ شوہر کی ذمہ داریوں سے مبرا ہوئیں اس طرح آپؒ نے اپنا تمام وقت یادالٰہی کے لیے وقف کیا اور دن رات عبادت و ریاضت میں مصروف رہا کرتی تھیں۔ دم واپسیں تک آپؒ نے ان میں کوئی کمی نہ آنے دی۔ بڑے بڑے اللہ والے آپؒ کا اسم گرامی بہت احترام سے لیا کرتے تھے۔

بی بی فاطمہؒ گنج شکرؒ کی تیسری صاحبزادی تھیں جو مولانا بدرالدین اسحاقؒ سے بیاہی گئی

Marfat.com

تھیں مگر آپ بھی منجھلی بہن بی بی شریفہؒ کی طرح جوانی میں بیوہ ہوگئیں۔آپ کے شوہر مولانا بدرالدین اسحاقؒ خود بھی بڑے مرتبے والے تھے۔وفات کے وقت آپ نے اپنے پیچھے بی بی فاطمہؒ کے علاوہ دو بچے خواجہ محمد امام اور خواجہ موسیٰ سوگوار چھوڑے۔

سلطان المشائخ نظام الدین اولیاؒء اور مولانا بدرالدین اسحاقؒ نہ صرف پیر بھائی تھے بلکہ دونوں کے آپس میں انتہائی محبت اور گہرے دوستانہ تعلقات بھی تھے۔مولانا بدرالدین اسحاقؒ کی وفات سے آپ کو دلی صدمہ پہنچا۔ان کی وفات سے آپ ایک انتہائی مخلص دوست سے محروم ہوئے تو دوسری طرف بی بی فاطمہؒ کا دکھ بھی آپ کا اپنا تھا کیونکہ وہ آپ کے شیخ کی دختر تھی۔حضرت نظام الدین اولیاؒء کو ان کے بچوں کی نگہداشت اور تعلیم و تربیت کی سخت فکر لاحق ہوئی۔اس لیے ان رشتوں کو مدنظر رکھ کر نظام الدین اولیاؒء نے بی بی فاطمہؒ کو بچوں سمیت اجودھن سے دہلی بلوالیا اور دہلی میں ان کے لیے رہائش کا بندوبست کیا بچوں کی تعلیم و تربیت کے لیے استاد مقرر کیے جس پر بعض لوگوں نے یہ شوشہ چھوڑا کہ سلطان المشائخ بی بی فاطمہؒ سے عقد کے متمنی ہیں۔اس بات کی جب جگہ بہ جگہ چرچے ہونے لگے اور یہ بات آپ کے کانوں تک پہنچی تو آپ کو بہت رنج ہوا کیونکہ آپؒ نے بی بی فاطمہؒ اور ان کے بچوں کے لیے جو کچھ کیا تھا یا کر رہے تھے وہ سب صلہ رحمی اور دوستی کے تقاضوں کو پیش نظر رکھ کر کر رہے تھے۔مگر حاسد اور کج فکر انہیں اور معنوں میں لے رہے تھے۔ان باتوں سے دل گرفتہ ہو کر نظام الدین اولیاؒء اپنے شیخ کی زیارت کیلئے اجودھن روانہ ہوئے۔

اجودھن سے جب آپؒ واپس دہلی کے لیے روانہ ہوئے تو دہلی واپس پہنچنے سے تین دن قبل آپؒ کی عدم موجودگی میں بی بی فاطمہؒ نے وفات پائی۔اجودھن سے واپسی پر آپ نے ماں باپ کے سائے سے محروم دونوں بچوں کو اپنی نگرانی میں لیا اور اپنے پیر بھائی خواجہ احمد پشاوری کو ان کا اتالیق مقرر کیا اور عہد دوستی کو مرتے دم تک نبھایا دونوں بچوں کی اس عمدہ طریقے سے تعلیم و تربیت کی کہ آگے چل کر وہ دونوں مرتبہ ولایت پر فائز ہوئے اور مخلوق خدا کی ایک بڑی تعداد ان سے فیضیاب ہوئی۔

Marfat.com

حضرۃ بی بی راستی اُم سلطان باہوؒ

ان کے شوہر کا شمار مغل لشکر کے مشہور شمشیر زنوں اور جانبازوں میں ہوتا تھا۔ مغلیہ تاجدار شاہجہاں کی نظروں میں ان کی بڑی قدر و منزلت تھی۔ کہنہ مشق، آزمودہ کار اور جرات مند سرداروں میں وہ ایک جداگانہ شان رکھتا تھا۔ مگر اچانک ان کے سر میں اللہ جانے کیا سودا سمایا کہ دلی سرکار کی فوج سے بھگوڑا ہو کر روپوش ہو گیا۔ حالانکہ نہ ان سے کوئی جرم سرزد ہوا تھا نہ کسی سازش کا حصہ بنا تھا نہ انہوں نے کوئی فراڈ یا ڈاکہ زنی تھی حتیٰ کہ کسی کی طرف میلی نظروں سے دیکھا تک نہ تھا پھر ان کے یوں اچانک بے سبب روپوشی کے متعلق جو بھی سنتا تو اسے حیرت ہوتی کہ بایزید محمد کو پتہ نہیں یہ کیا سوجھی ہے۔ اگرچہ اس کا فطری میلان تصوف کی طرف تھا۔ پیروں فقیروں کا نہایت قدردان تھا۔ عموماً ان کی محفلوں میں اٹھتا بیٹھتا تھا مگر ان محفلوں کا اس قدر شدید اثر کہ جواں بیوی، بوڑھے والدین اور منصب شاہی کو چھوڑنا اور خود کو یوں گم کر دینا سب کے لیے کسی عجوبے سے کم نہ تھا۔ اگرچہ ان کی زوجہ بی بی راستیؒ خود بھی بڑی اللہ والی خاتون تھیں انتہائی متقی پرہیزگار دنیاوی آلائشوں سے پاک ایک متبرک ہستی تھیں مگر اسے بھی کچھ معلوم نہ تھا کہ اس کا میاں کہاں ہے اور کس حال میں ہے۔ شوہر کی یوں اچانک گمشدگی اگرچہ ایک بڑا صدمہ تھا۔ مگر وہ مایوس نہ تھی۔ ان کو ایک گونہ اطمینان میسر تھا کہ ان کا سرتاج جہاں کہیں بھی ہے سلامت اور بخیریت ہے۔ اسے اس بات کا پختہ اور کامل یقین تھا اور یہ اس لیے تھا کہ وہ صاحب بصیرت و کرامت تھی۔ اپنے شوہر کے قلب کی بدلتی ہوئی حالت ان سے پوشیدہ نہ تھی۔ اس لیے ان کے معمول کے ذکر و اذکار اور وظائف کا ورد معمول کے مطابق تھا

Marfat.com

اس میں کوئی فرق نہیں آیا جس سے کوئی کہہ اٹھتا کہ شوہر کی گمشدگی نے اس کو حواس باختہ کیا ہوا ہے۔

ان دنوں اچانک ملتان کے مغلیہ حاکم اور مروٹ کے راجہ کے درمیان بیکانیر کے ریگستان پر پھر اختلافات پیدا ہو گئے۔ ہر چند کہ اس مسئلے کو گفت وشنید کے ذریعہ حل کرنے کی کوشش کی گئی مگر دونوں میں سے کوئی بھی اپنے موقف میں ذرا بھی لچک پیدا کرنے کا روادار نہ تھا۔ جس کی وجہ سے مذاکرات ناکام ہوئے۔ مذاکرات کے بجائے مبارزت کی راہ کو اختیار کیا گیا۔ دونوں اطراف سے جنگ کی تیاریاں شروع ہوئیں اور ایک انتہائی خونریز جنگ کے آثار نمودار ہوئے۔ امروٹ کا راجہ اپنے دربار میں صلاح مشوروں میں مصروف تھا اور متوقع جنگ کے لیے جنگی منصوبہ بندی پر درباریوں کی آراء سننے میں مصروف تھا کہ دربار میں ایک مسلح شخص تیر کی طرح داخل ہوا۔ شیر کی طرح راجہ امروٹ پر جھپٹا اس سے قبل کہ کوئی اس مسلح اجنبی کی طرف متوجہ ہو جاتا اس نے ایک ہی وار میں راجہ کا سرتن سے جدا کر دیا اور راجہ کا سر لے کر بجلی کی طرح اپنے گھوڑے کی طرف لپکا اور پلک جھپکنے میں آنکھوں سے اوجھل ہو گیا۔ یہ سب کچھ اس قدر جلدی اور غیر متوقع طور پر ہوا کہ وہ سب مبہوت ہو کر رہ گئے اور کچھ دیر کے لیے ہونقوں کی طرح حیرت سے بت بنے ایک دوسرے کا منہ دیکھتے رہے اور جب انہیں ہوش آیا تو اجنبی نکل چکا تھا اگرچہ بہت تیز رفتار گھوڑوں سے ان کا پیچھا کیا گیا، بہت گھوڑے ان کے پیچھے دوڑائے گئے مگر وہ ہاتھ نہیں آیا۔ وہ ان کی دسترس سے بہت دور نکل چکا تھا اور سورج ڈھلنے سے قبل وہ مغلیہ حاکم کے لشکر گاہ میں پہنچا اور حاکم ملتان کے پیروں میں راجہ امروٹ کا سر پھینک دیا۔ راجہ امروٹ کا سر دیکھ کر حاکم ملتان حیرت سے اچھل پڑا۔ حیرت اور سکتے سے کچھ دیر اس مسلح شہسوار کو دیکھتا رہا کہ شاہسوار کہنے لگا: اب جنگ لڑنے کی نوبت پیش نہیں آئے گی۔ صرف اس ایک قتل سے مخلوق خدا ایک بڑی تباہی سے بچ گئی۔ آپ کو فتح مبارک ہو۔ اور پھر اچانک فضا میں ایک آواز گونجی۔ شاباش! بایزید محمد۔۔۔ زندہ باد ہر ایک کی زبان پر بایزید محمد کا نام تھا جو کچھ عرصہ قبل مغلیہ لشکر کی منصب چھوڑ کر اللہ سے لو لگا چکا تھا۔ مگر مخلوق خدا کو قتل و غارت گری سے

Marfat.com

بچانے کے لیے شیر کی طرح اپنے کچھار سے نکلا اور راجہ امروٹ کو کیفر کردار تک پہنچانے کے بعد واپس اپنے کچھار میں چلا گیا۔

بایزید محمد اس غیر معمولی کارنامے سے ایک بار پھر منظر عام پر آیا۔ شاہی دربار سے ان کے لیے نہ صرف تحسین و آفرین کا پیغام آیا بلکہ اسے یہ حکم بھی دیا گیا کہ وہ اپنی صلاحیتوں سے شاہی لشکر کو فیض یاب کرے مگر نوجواں بایزید محمد عشق حقیقی میں اس قدر ڈوب چکا تھا کہ انہوں نے شاہی دربار میں عریضہ بھیج کر معذرت کی کہ اب میں نے اپنی زندگی خدا کی راہ میں وقف کر دی ہے۔ میں ہر قسم کی دنیاوی ذمہ داریوں سے خود کو علیحدہ اور مبرا دیکھنا چاہتا ہوں، راجہ امروٹ کے خلاف میدان میں اترنا مخلوق خدا کو ان کی شر و فساد سے بچانے کے لیے تھا۔ ان کی درخواست بادل نخواستہ مجبوراً منظور کر لی گئی مگر اس کارنامے کے صلہ میں شاہجہان نے معاشی کفالت کے لیے شورکوٹ کے قریب ایک بڑی جاگیر ان کو عطا کی۔ یہ جاگیر بھی آپ نے مجبوراً قبول کی اور اس کی آمدن شورکوٹ میں ایک خانقاہ اور مدرسے کے اخراجات کے لیے وقف کر دی۔

بایزید محمد ایک نڈر بہادر اور بیباک سپاہی ہونے کے علاوہ حافظ قرآن، فقیہہ اور با کردار انسان بھی تھا۔ تصوف سے دلی شغف رکھتا تھا۔ جس کی وجہ سے آپ نے عین عالم شباب میں شاہی منصب کو ٹھکرا کر فقیری اختیار کر لی اور دنیا سے گوشہ نشین ہو گئے۔

بایزید محمد کی اس طرح اچانک منظر عام پر آنے سے ان کے خاندان والے بے حد خوش ہوئے۔ اس پر مستزادان کے کارنامہ اور جاگیر کی بخشش نے ان کی خوشی دوچند کر دی کہ ان کے دن پھر گئے اور برادری میں ان کی شان سب سے بالا ہو گئی۔ اس لیے ان کو گھر لانے کے لیے دھوم دھام سے تیاریاں شروع ہوئیں مگر مزاج شناس بیوی بی بی راستیؒ نے ان کی سرزنش کی اور کہا:

"وہ خدا کی راہ میں سب کچھ چھوڑ چکا ہے۔ اب وہ کبھی واپس نہیں آئے گا"۔ مگر ان کی بات کو کسی نے اہمیت نہ دی۔ لیکن ان کی امیدوں پر تب اوس پڑ گئی جب بایزید محمدؒ نے واپس

Marfat.com

آنے سے انکار کر دیا اور ان کے خاندان والے ناکام لوٹ کر آ گئے مگر پھر بھی وہ آس لگائے ہوئے تھے اس وقت بی بی راستیؒ نے شورکوٹ جانے کا فیصلہ کر لیا اور کہا۔ میں بھی خدا کی رضا کی خاطر اس فانی دنیا کو ترک کر چکی ہوں۔ میرے بطن میں ایک مقدس امانت پرورش پا رہی ہے۔ جو مادرزاد ولی ہوگا۔ ان کی جنم دھرتی چناب کا علاقہ ہے۔ لہٰذا ان کے واپس آنے کا خیال دل سے نکال دو اور مجھے ان کے پاس پہنچا دو۔ چنانچہ بی بی راستیؒ سسرال سے اجازت لے کر شورکوٹ پہنچ گئیں اور شورکوٹ کی فضا میاں بیوی کی اللہ ہو، اللہ ہو کی ورد سے گونجنے لگی اور پھر ایک عالم "ہو" کی آواز سے گونج اٹھی۔

☆ ☆ ☆

شاہجہان مقید تھا۔ اورنگ زیب کا نقارہ بج رہا تھا کہ 1039 ہجری میں بی بی راستیؒ کے ہاں اس بچے نے جنم لیا جس کی آمد کیلئے چناب کی دھرتی مجسم انتظار تھی۔ اس مادرزاد ولی کو "سلطان محمد باہو" کے نام سے دنیا نے پہچانا جس نے تصوف کی ایک نئی تاریخ رقم کی۔ ان کے سرمدی "نغمات ہو" سے سرزمین پنجاب جھوم اٹھی۔ "ہو" وہ نغمہ تھا جو دردمند دلوں میں معرفت کے سوتے جگاتا تھا اور مردہ سے مردہ غافل دل اسے سن کر وجد میں آتا تھا۔ یہ "نغمات ہو پرتاثیر" آج بھی متلاشیان حق کے دلوں کے لیے بربط کا کام دیتے ہیں۔

حضرت سلطان باہوؒ کے سوانح کا مطالعہ کرتے ہوئے ہم دیکھتے ہیں کہ ان کی تعلیم و تربیت نگہداشت اور راہ سلوک میں رہبری جس ہستی نے کی ہے وہ ان کی والدہ ماجدہ بی بی راستی تھیں۔ ابتداء میں اس نے گھر پر آپؒ کو عربی فارسی کی اعلیٰ تعلیم دلوائی مگر فطری طور پر آپؒ کا رجحان علوم لدنی کی طرف مائل تھا تو انہوں نے بھی آپ کو اجازت مرحمت فرما دی اور آپؒ مشائخ عظام کی قدم بوسی اور ان سے استفادوں کے لیے در در کی خاک چھاننے لگے۔ یہ ابتدائی تربیت کا دورانیہ تھا۔ جب ان اولیاء کرامؒ کے روحانی فیض سے آپ بھی منور ہونے لگے جس کا بی بی راستیؒ بغور مشاہدہ کر رہی تھیں اور جب اسے اندازہ ہوا کہ اب کسی کے پیروں میں بیٹھنے کا وقت آ گیا ہے تو اس نے آپ کو بلوایا اور کہا۔

بیٹا! اللہ تعالیٰ نے تمہیں اپنی معرفت کے لیے پیدا کیا ہے۔ آگے چل کر ایک عالم تجھ

Marfat.com

سے فیضیاب ہو گا مگر تمہیں راہ سلوک کی منزلیں کسی مرشد کامل کے بغیر طے نہیں کرنی چاہیں۔ اس لیے اب وقت آ گیا ہے کہ تم کسی مرشد کامل کے ہاتھ پر بیعت کرو۔

بیٹے نے انتہائی احترام کے ساتھ عرض کیا۔ اماں جی! مجھے خدا کے فضل سے معرفت خداوندی حاصل ہے۔ میرے مرشد کامل حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

مگر بی بی راستیؒ نے شفقت بھرے لہجے میں کہا، پھر بھی ظاہری مرشد پکڑنا لازمی ہے۔ کیا تجھے معلوم نہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو باوجود اللہ تعالیٰ کی ہم کلامی کا شرف حاصل ہونے کے حصول ارشاد و تلقین کے لیے حضرت خضر علیہ السلام کے ساتھ چلنا پڑا۔

یہ سن کر نوجوان باہو کچھ دیر خاموش کھڑا رہا اور دل ہی دل میں کسی مرشد کامل کے لیے سوچنے لگا مگر باوجود کافی دیر غور و فکر کے بعد آپؒ کو کوئی ایسی ہستی نظر نہ آئی جو آپؒ کے دل کو لگتی تھی۔ آپ کی نگاہیں دور دور تک بھٹکنے کے بعد والدہ پر مرتکز ہو جاتی تھیں۔ آخر آپؒ نے کہا۔

اماں جی! مجھے دور و نزدیک کوئی ایسی ہستی نظر نہیں آتی جس سے مل کر میں راہ سلوک کی منزلیں طے کر سکوں۔ میری نظریں ادھر ادھر بھٹکنے کے بعد آخر آپ ہی پر مرکوز ہوتی ہیں۔ میری نظروں میں اس وقت قرب و جوار میں آپؒ سے کوئی بڑی ہستی موجود نہیں۔ میرے لیے آپ ہی مرشد ہیں۔ میں آپ ہی سے بیعت کرنا چاہتا ہوں۔

یہ سن کر بی بی راستیؒ نے نفی میں سر ہلایا اور کہا۔

نہیں بیٹا! عورتوں کو بیعت و تلقین کا حکم نہیں۔ سیدۃ النساء سید فاطمۃ الزہرہؓ اور رابعہ بصریؒ نے کسی کو بیعت کی تلقین نہیں کی، تو پھر میں کس حساب میں ہوں، میں تو ان محترمات کی خاک پا کے برابر بھی نہیں۔ پھر میں بیعت کا حکم کیسے دے سکتی ہوں۔

یہ سننے کے بعد سلطان محمد باہوؒ قدرے پژمردہ ہو گئے۔ اور کہا: اماں جی! میں مرشد کامل کہاں تلاش کروں۔ ان کی آواز سے پریشانی عیاں تھی۔

بی بی راستیؒ نے فرمایا: بیٹا! پریشان نہ ہو۔ خدا کی زمین بہت بڑی ہے۔ خدا کی زمین میں چل پھر کر تلاش کرو۔ اس کے ساتھ بی بی راستی کا ہاتھ مشرق کی طرف اٹھ گیا۔ آپ فوراً اشارہ

Marfat.com

سمجھ گئے۔ اسی وقت والدہ محترمہ سے اجازت لی اور دریائے راوی کی طرف چل پڑے۔

دریائے راوی کے کنارے چلتے چلتے آپ کے کانوں میں حضرت شاہ حبیب اللہؒ کی شہرت پہنچی جو کہ ایک قریبی گاؤں بغداد میں مقیم تھے۔ آپؒ نے ان کی خدمت میں حاضری دی اور اپنا مدعا بیان کیا تو حضرت شاہ حبیب اللہؒ نے فرمایا: اے نوجوان! تم چند روز یہاں ٹھہرو، مجاہدہ کرو اور مسجد کا پانی بھرنا۔

آپؒ نے حکم کی تعمیل میں پانی بھر کر لانے کے لیے مسجد کے صحن میں بیٹھے درویشوں سے مشک مانگی۔ ایک درویش نے مشک لاکر آپؒ کے حوالے کی۔ آپؒ نے ایک ہی مشک سے مسجد کے حمام، وضوخانے بھر دیئے بلکہ مسجد کے صحن میں چھڑکاؤ بھی کر دی یہ دیکھ کر تمام دریشوں پر آپؒ کا مقام اور مرتبہ واضح ہوا اور انہوں نے ڈرتے ڈرتے یہ واقعہ شاہ صاحب کے گوش گزار کیا۔ تو انہوں نے اسی وقت سلطان باہو کو طلب کیا اور پوچھا:

اے درویش! کیا تمہارے پاس دنیاوی مال و دولت ہے؟

آپؒ نے انکساری سے فرمایا: ہاں! اللہ کا دیا بہت کچھ ہے، گزر بسر ہوتی ہے۔

فقر اور دنیا! یہ آگ اور پانی سنگم! یہ کیونکر ممکن ہے۔ دونوں میں سے کسی ایک کا انتخاب کرنا۔ شاہ حبیب اللہؒ نے تنبیہ کے انداز میں فرمایا۔ چنانچہ آپؒ نے دنیاوی مال ومتاع پر فقر کو ترجیح دی اور اپنی مال و دولت راہ خدا میں نچھاور کرنے کے لیے واپس گھر کو روانہ ہوئے۔

بی بی راستیؒ کی توجہ آپؒ پر مرکوز تھی۔ وہ دور ہونے کے باوجود آپؒ کو دیکھ رہی تھی۔ جب آپؒ گاؤں پلٹ کر آنے لگے تو انہوں نے آپ کی ازواج سے فرمایا: میرا بالک آرہا ہے۔ گھر میں جو کچھ ہے وہ آکر ان سب کو خدا کی راہ میں لوٹائے گا۔ یہ سن کر اکثر ازواج نے زیورات اور نقدی گھر میں مختلف جگہوں پر دفنا دیئے۔ تا کہ بوقت ضرورت کام آئے۔ جب آپ گھر پہنچے تو بی بی راستیؒ نے تجاہل عارفانہ سے پوچھا۔

کاکا! اب کیوں پلٹ کر آئے ہو؟

آپؒ نے انتہائی ادب سے سر جھکا کر فرمایا، اماں جی! شیخ نے دنیاوی مال و متاع اور فقر

Marfat.com

میں کسی ایک کے انتخاب کا حکم دیا ہے۔

تو پھر آپ کی نظروں میں کون سی چیز جچی؟

اماں جی! میں آپ کا فرزند ہوں۔ میں نے آپ کی گود میں پرورش پائی ہے۔ میں نے وہی چیز پسند کی جو آپ کی پسندیدہ ہے۔ وہی چیز ٹھکرائی جس کو میرے والد نے ٹھکرایا تھا۔ میں نے فقر کو اپنے لیے پسند کیا ہے۔

یہ سن کر بی بی راستیؒ نے سکھ کا سانس لیا اور کہا۔

پھر اگر کوئی مال ومتاع تمہیں اس گھر میں نظر آتی ہو تو اس سے اپنا دامن جھاڑ دو۔

اجازت ملنے کے بعد آپؒ کو جو کچھ نظر آیا وہ آپؒ نے خدا کے نام پر غریبوں، مفلسوں، ناداروں میں بانٹ دیا، یہاں تک کہ ایک معصوم بچے کی انگلی میں ایک چھوٹی سا چھلا دیکھا جو اس کی والدہ نے نظر بد سے بچاؤ کی خاطر ان کو پہنایا تھا آپؒ نے اس کو بھی اتار کر کسی کو دیا مگر اس کے باوجود آپؒ نے والدہ ماجدہ سے فرمایا: اماں جی! مجھے دولت کی بدبو آ رہی ہے۔ بظاہر تو میں سب کچھ دے چکا ہوں۔ مگر پھر بھی بدبو آ رہی ہے۔

بی بی راستیؒ نے فرمایا: بیٹا جہاں جہاں سے بدبو آ رہی ہے۔ تو وہی ڈھونڈ، تلاش کر، جو کچھ ملتا ہے وہ باہر پھینک۔

اس کے بعد آپؒ نے گھر کا تمام مال ومتاع جمع کیا جو کچھ ازواج نے چھپایا تھا اس کو نکالا اور ان تمام کو مخلوق خدا میں تقسیم کیا۔ اس کے بعد حضرت شاہ حبیب اللہؒ کی خدمت میں حاضر ہو گئے تو انہوں نے پوچھا۔

کیا تم دنیاوی مال ومتاع سے فارغ ہو گئے؟

''ہاں'' آپ نے طمانیت بھرے لہجے میں کہا۔

آپ کا یقینی لہجہ ان کو ذرا چبھا، تو شاہ حبیب اللہؒ نے کہا:

اور اپنی ازواج کا کیا کرو گے؟ اللہ کے حقوق ادا کرو گے یا ازواج کے؟

یہ سن کر آپ پھر پلٹے کیونکہ راہ خدا میں کسی چیز کو اپنے پیروں کا زنجیر بننا آپؒ کو گوارا نہ

تھا۔ آپؒ خدا کی طلب میں کسی قربانی سے دریغ کرنے والے نہ تھے۔ اس دوران بی بی راستیؒ کی بھرپور توجہ پر آپ مرکوز ہوا کرتی تھی۔ اس لیے آپؒ نے ان کے مستورات سے کہا:

میرا بیٹا اب تم لوگوں سے قطع تعلق کی غرض سے آرہا ہے۔ تم میں سے جس کو فقیر کی یہ کٹیا صبر و قناعت کے ساتھ قبول ہو، وہ میرے پیچھے بیٹھ جائیں، کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ خدا کی طلب میں سرشار کوئی شرعی کلمہ کہہ نہ دے جس پر تمہیں بعد میں پچھتاوا ہو۔

بی بی راستیؒ کی باتیں سن کر تمام بیبیاں آپؒ کے پیچھے بیٹھ گئیں اور جب آپؒ گھر میں داخل ہوئے اور ماں کی قدم بوسی کی تو بی بی راستیؒ نے آپ کے کچھ کہنے سے قبل فرمایا: اب کیسے آنا ہوا؟

سلطان باہوؒ نے سعادت مند بیٹے کی طرح سر جھکا کر مقصد بیان کیا۔ تو بی بی راستیؒ نے فرمایا: تمہاری بیویوں کے جو حقوق تم پر ہیں، آج سے تم ان سے آزاد ہو اور تمہارے جو حقوق بیویوں کے ذمے ہیں وہ بدستور قائم رہیں گے۔ اگر تم حقیقی معرفت کے حصول میں کامیاب ہو گئے تو بہتر ہے مگر محض بیویوں کے حقوق کی خاطر گھر آؤ، تو اس کی ضرورت نہیں۔ لہٰذا اب طلاق کا خیال کبھی دل میں نہیں لانا۔

یہ قابل قبول تجویز سن کر آپ کا دل بہت پرسکون اور مطمئن ہوا۔ شیخ حبیبؒ اللہ بھی بی بی راستیؒ کی توجہ بھانپ گیا اور اس نے بھی اس کو قبول کیا۔ اس کے بعد سلطان باہوؒ جہاں بھی گئے مرشد کامل کے نگرانی اور توجہ کے ساتھ ساتھ بی بی راستیؒ بھی رہنمائی کا فریضہ سرانجام دیتی رہیں۔ یہ بی بی راستیؒ کی تعلیم و تربیت و نگہداشت اور قدم قدم پر رہنمائی کا اعجاز تھا کہ سلطان محمد باہوؒ شمس العارفین کہلائے۔

طویل عرصہ کے بعد جب سلطان باہوؒ مرشد کامل بن کر واپس گھر پلٹے اور آپ نے وعظ و تبلیغ و تلقین ارشاد کا سلسلہ شروع کیا تو آپ کی خانقاہ ہر وقت درویشوں اور فقیروں سے بھری رہتی تھی۔ جن کے لیے بی بی راستیؒ نے لنگر جاری فرمایا اور باوجود انتہائی ضعیف العمری کے اس کا انتظام خود سنبھالا اور کہا کرتی تھیں کہ یہ میرے رسولؐ کا فرمان ہے ”جو شخص خدا اور قیامت

کے دن پر ایمان لایا ہے اس کو چاہیے کہ اپنے مہمان کی عزت کرے'' لنگر میں جتنے بھی کھانے والے ہیں یہ سب ہمارے مہمان ہیں۔ میں ان کی خدمت کی سعادت سے محروم ہونا پسند نہیں کرتی۔ بی بی راستیؒ کا مزار آج بھی شورکوٹ میں مرجع خلائق ہے۔

-☆-

Marfat.com

تاریخ تصوف کے بکھرے اوراق (۱)

قناعت

حضرت مالک بن دینارؒ کے بارے میں مشہور ہے کہ وہ اپنی قناعت پسندی پر بہت نازاں تھے۔ ایک بار آپؒ کسی درویش کے مہمان ہوئے۔ جب روٹیاں سامنے آئیں تو اس میں نمک نہ تھا۔ مالک بن دینارؒ سے نہ رہا گیا اور بولے، اگر ان روٹیوں میں نمک ہوتا تو کتنی مزیدار ہوتیں!

درویش کے گھر میں فقر کے باعث نمک موجود نہ تھا نہ خریدنے کے لیے گھر میں پیسے تھے مگر درویش کی بیٹی نے جب مالک بن دینارؒ کی بات سنی تو گھر کا لوٹا دکان دار کے پاس لے گئی اور اس کے بدلے نمک لے آئی۔ مالک بن دینارؒ نے نمک کو دیکھا تو ایک معمولی سی چٹکی بھری اور کہا: درویش کو تھوڑے پر ہی قناعت کر لینی چاہیے۔ میرے لیے یہ کافی ہے۔

درویش کی بیٹی سے ضبط نہ ہو سکا اور بولی: گستاخی معاف! اگر آپؒ میں قناعت ہوتی تو مجھے نمک کے لیے گھر کا لوٹا دکاندار کے پاس گروی نہ رکھنا پڑتا۔ گزشتہ سترہ برس سے ہم لوگ نمک کے بغیر گزارہ کر رہے ہیں۔ اس لیے کہ ہمارے پاس نمک کے لیے پیسے نہیں ہوتے۔ پھر تم کس قناعت پر نازاں ہو۔

حضرت مالک بن دینارؒ نے یہ سنا تو بہت نادم ہوئے ان سے معذرت طلب کی اور خدا کے حضور میں توبہ کی۔

توحید کا سبق

حضرت جنید بغدادیؒ (م۔302ھ) نے اپنی حیات مبارکہ میں دو حج کئے تھے۔ ایک

Marfat.com

حج بچپن میں سات سال کی عمر میں اپنے ماموں حضرت سری سقطیؒ کے ہمراہ کیا تھا جبکہ دوسرا حج عہد جوانی میں کیا تھا۔ اس سفرِ حج کے دوران ایک واقعہ کا حال بہت تذکروں میں تواتر سے بیان ہوا ہے۔ جب خانہ کعبہ میں ان کی مڈبھیڑ ایک اللہ والی بزرگ خاتون سے ہوئی جس نے ان کے دیدہ دل بینا کرنے میں اہم کردار ادا کیا۔

ایک رات حضرت جنید بغدادیؒ تن تنہا طواف کعبہ کے لیے حاضر ہوئے تو اس وقت اندھیری رات میں ایک عورت بھی طواف کر رہی تھی۔ اچانک وہ عورت پرسوز آواز میں کچھ عاشقانہ اشعار بھی طواف کے ساتھ گنگنانے لگیں۔ حضرت جنید بغدادیؒ کچھ دیر تو اس عورت کو برداشت کرتے رہے مگر جب اس خاتون کی آواز ان کی محویت میں خلل انداز ہونے لگی تو آپؒ نے نہایت پرجلال لہجے میں فرمایا:

''اے بے خبر! تجھے اس مقدس ومحترم مقام پر اپنی ناپاک آرزوئیں بیان کرتے ہوئے شرم نہیں آتی؟''

اس خاتون نے معذرت کی بجائے آپؒ کی بات نظرانداز کی اور مزید عاشقانہ اشعار گنگنانے لگی۔ حضرت جنید بغدادیؒ نے آپ کو گھورا اور کچھ کہنا چاہا کہ اس عورت نے پوچھا: میں کیا کہہ رہی ہوں۔ اسے چھوڑ دو۔ تم یہ بتاؤ کہ تم خدا کا طواف کرتے ہو یا خانہ خدا کا؟

حضرت جنید بغدادیؒ نے بغیر کسی تامل کے فرمایا: ہم اہل ایمان خانہ خدا کا طواف کرتے ہیں۔

حضرت جنید بغدادیؒ کا جواب سن کر وہ عورت تڑپ اٹھی اور آسمان کی طرف نگاہیں اٹھا کر پرتاسف لہجے میں کہنے لگی: سبحان اللہ! تیری مخلوق میں ایسے لوگ بھی ہیں جو پتھر کی طرح بے حس ہیں اور پتھر کے گرد طواف کرتے ہیں۔ انہیں بتا کہ تیری مرضی کیا ہے اور تو ان سے کیا چاہتا ہے؟

خاتون کی زبان سے یہ کلمات سن کر حضرت جنید بغدادیؒ پر وجد کی کیفیت طاری ہوگئی اور جب ہوش میں آگئے تو وہ خاتون غائب تھی۔ جس نے بڑے موثر اور منفرد انداز میں آپؒ کو

Marfat.com

توحید کا درس دیا تھا۔

درود شریف نہ بیچ

حضرت ابراہیم تبولیؒ (م 880 ہجری) اپنے مریدوں کو اکثر اپنے بچپن کے واقعات سنایا کرتے تھے۔ ایک بار فرمانے لگے کہ جب میں بچہ تھا اور خوانچہ میں چنے فروخت کیا کرتا تھا اور ساتھ ساتھ درود شریف کا ورد بھی کرتا تھا۔ ایک روز مجھ پر ایسی حالت طاری ہو گئی کہ میں ہوش و خرد سے بیگانہ ہو گیا۔ لوگ میرے درود شریف کا ورد سنتے اور سکے پھینکتے جاتے یہاں تک کہ میرا خوانچہ سکوں سے بھر گیا کب چنے فروخت ہوئے کیسے فروخت ہوئے مجھے کچھ علم نہ تھا۔ جب ہوش میں آیا اور گھر واپس لوٹا تو ماں نے فرمایا:

بیٹا! میں نے سنا ہے اب تو چنوں کے بجائے درود شریف بیچتا ہے!

ابراہیم تبولیؒ فرماتے ہیں کہ میں اپنی غلطی سمجھنے سے قاصر تھا کہ والدہ نے حکم دیا:

اپنی زبان سے کہو کہ وہ چنے بیچے اور دل سے کہو وہ درود شریف پڑھے۔

اس حکم کے بعد زبان و دل خود بخود مطیع ہو گئے۔

امتحان

حضرت شیخ حمید الدین سوالیؒ (م 673ھ) کے پاس تھوڑی بہت زمین تھی۔ جس پر مشکل سے گزر بسر ہوتی تھی۔ آپؒ کی زہد و تقویٰ اور پارسائی سے متاثر ہو کر حاکم ناگور نے کچھ زر نقد آپ کی خدمت میں پیش کیا تا کہ آپ کی مالی تنگ دستی دور ہو سکے اور آپؒ اپنی ضروریات کو پورا کر سکیں۔ آپؒ نے اپنی بیوی سے پوچھا: اے نیک بخت خاتون! حاکم ناگور ہماری مالی مدد کرنا چاہتا ہے۔ اس غرض سے انہوں نے کچھ زر نقد بھیجا ہے۔ کیا خیالؒ ہے قبول کر لیا جائے، کیونکہ میرا لباس بالکل بوسیدہ اور پرانا ہو چکا ہے اور تمہارے لیے بھی نئے لباس کی ضرورت ہے۔

بیوی نے کہا: کیا آپ پسند کریں گے کہ ہم درویشی کو چند سکوں پر قربان کر دیں؟ آپؒ

Marfat.com

مطمئن رہئے۔ خدا ہمارے لباس کا انتظام کردے گا۔ ہمیں حاکم کی امداد کی کوئی ضرورت نہیں۔

یہ سن کر آپؒ نے الحمدللہ کہی اور فرمایا: اے نیک بخت! میں تو تیرا امتحان لے رہا تھا ورنہ مجھے تو حاکم کی امداد کی کوئی حاجت نہیں۔

اس کے بعد حضرت شیخ حمید الدین سوالیؒ نے شکریے کے ساتھ امدادی رقم واپس کردی اور قبول کرنے سے معذرت کرلی۔

خراسان کی آگ

حضرت عبدالقدوس گنگوہیؒ (م 944ھ) کی اہلیہ مبارکہ بڑی صابرہ شاکرہ اور اللہ والی تھیں۔ اپنے شوہر کے رنگ میں مکمل طور پر رنگ گئی تھی۔ اللہ کے سوا ہر کسی سے ترک تعلق اختیار کرچکی تھی۔ ایک دن انہیں کشف ہوا کہ خراسان سے ایک آگ اٹھی جو ہر چیز کو جلاتی ہوئی آہستہ آہستہ آگے بڑھ رہی ہے تو آپؒ نے لوگوں سے کہا: جس قدر جلد ہوسکے اپنے بچاؤ کا انتظام کرلو۔ کوئی مصیبت نازل ہوا چاہتی ہے اور پھر جلد ہی ظہیر الدین بابر ہندوستان پر حملہ آور ہوا ان کے یلغار کے سامنے کوئی نہ ٹھہر سکا۔ اس یورش میں بڑی بڑی بستیاں برباد اور ویران ہوگئیں۔ یہاں تک کہ آپؒ کو بھی شاد آباد (کرنال) چھوڑ کر گنگوہ میں اپنے شوہر کے ہمراہ پناہ لینا پڑی۔

شان بندگی

حضرت شیخ احمد ناگوریؒ کی ایک لونڈی تھی۔ جو آپؒ کے گھر کا کام کاج وغیرہ کیا کرتی تھی اور آپؒ کی عدم موجودگی میں گھر کی رکھوالی بھی کیا کرتی تھی۔ ایک دن شیخ احمد ناگوریؒ دن بھر کے تھکے ہارے گھر واپس آئے تو لونڈی سے پوچھا:

تو کیا کررہی ہے؟

''حضور! آپ کا انتظار'' لونڈی نے جواب دیا۔

میرا انتظار! کس لیے۔ شیخ ناگوریؒ نے فرمایا۔

Marfat.com

لونڈی نے عرض کیا'' حضور! آپ میرے آقا ہیں۔ اور میں آپؒ کی کنیز ہوں۔ اس لیے آپؒ کا انتظار، آپ کی خدمت اور تابعداری مجھ پر واجب ہے۔''

اس جواب پر شیخ احمد نا گوریؒ بہت خوش ہوئے اور کہا: تم سچ کہتی ہو۔ تم واقعی بڑی خدمت گزار ہو۔ اچھا اب میرے لیے بستر لگا دو۔ میں بہت تھکا ماندہ ہوں۔ آرام کرنا چاہتا ہوں۔

لونڈی نے بستر بچھانے کے بجائے آپ سے سوال کیا:

اے شیخ! ذرا یہ تو بتائیے کہ آپؒ کا بھی کوئی آقا ہے؟

یہ سوال اس وقت شیخ کو اگرچہ بہت ناگوار گزرا۔ مگر پھر بھی انہوں نے تحمل سے کام لیتے ہوئے کہا: ہاں! ہمارا بھی ایک آقا ہے مگر تمہیں اس سے کیا؟ تم نے یہ سوال کیوں پوچھا۔

لونڈی نے بصد ادب جواب دیا: اے میرے آقا! میں نے آپؒ کو اپنا آقا مانا اور آپؒ کے حکم کی تعمیل کو اپنا جزوایمان سمجھا۔ آپؒ مجھ سے زیادہ صاحب فہم وذکا ہیں۔ اس لیے آپؒ کو مجھ سے زیادہ اپنے آقا کا تابعدار ہونا چاہیے۔

لونڈی کا جواب سن کر شیخ نا گوریؒ سناٹے میں آ گئے۔ پھر بھی انہوں نے کہا:

اے لونڈی کہتی تو ٹھیک ہے۔ مگر اپنا مطلب واضح کر، تو چاہتی کیا ہے؟

لونڈی نے عرض کیا: اے میرے آقا! کیا آپؒ کا آقا بھی رات بھر آپ کی طرح سوتا ہے۔

شیخ نے جواب دیا: نہیں! بالکل نہیں۔ میرا آقا تو سوتا نہیں۔

لونڈی نے تاسف سے کہا: واحسرتا! یہ تو بڑے افسوس کی بات ہے کہ آپؒ کا آقا تو بیدار رہے اور آپ سو جائیں۔ اگر میں سو جاؤں اور آپ بیدار رہیں تو کیا آپؒ یہ اپنے لیے پسند کریں گے؟ میرا خیال ہے ہرگز نہیں۔

شیخ کے پاس لونڈی کی اس بات کا کوئی جواب نہ تھا۔ وہ نادم ہو کر خاموش ہو گیا کیونکہ اس تابعدار لونڈی کی باتوں نے آپؒ کو ہلا کر رکھ دیا اور کافی دیر سکتے کی کیفیت میں مبتلا رہے۔ جب ذرا حواس بحال ہوئے تو اپنے نفس کو ملامت کر کے کہا: تو جو خود کو خوش قسمت سمجھتا رہا۔

Marfat.com

سخت گرفت میں آ چکا ہے۔

اس واقعہ کے فوراً بعد آپؒ نے اس لونڈی کو آزاد کر دیا اور رات کو آرام کرنے کی عادت ترک کر کے شب بیداری کی عادت اپنائی۔

جوڑ کا رشتہ

حضرت حسنہؒ نے دنیا کی جملہ نعمتوں سے منہ موڑا تھا۔ وہ دن رات ذکر و اذکار اور عبادت الٰہی میں مشغول رہا کرتی تھی۔ دن کو روزہ رکھنا اور رات بھر نفل پڑھنا ان کا معمول تھا۔ اسباب دنیاوی سے انہوں نے اس قدر ترک تعلق کیا تھا کہ گھر میں پانی پینے کا کٹورا تک نہ تھا۔ جب پیاس لگتی تو قریبی نہر سے چلو بھر بھر کے پانی پی لیتی تھیں۔ انہوں نے بہت نوعمری میں راہ سلوک کے کٹھن منزلوں کو طے کیا تھا۔ وہ بے حد خوبصورت اور حسین تھی۔ اس کی جوانی اور خوبصورتی سے متاثر ہو کر ایک عورت نے ان سے کہا:

تو جواں ہے، بے حد خوبصورت ہے۔ شادی کر لے اور لازمی کر لے کیونکہ یہ سنت رسولؐ ہے۔

آپ کچھ دیر خاموش رہیں اور پھر اس عورت سے کہا: بہن ٹھیک ہے۔ جب تم مجھے شادی کے لیے مجبور کر رہی ہو تو میں شادی کے لیے رضامند ہوں مگر میں اس شخص سے شادی کروں گی جو مجھے دنیاوی معاملات میں پریشان نہ کرے۔ کیونکہ میں نے قسم کھائی ہے کہ میں دنیا کی مطیع نہیں بنوں گی۔ اس کے بہکاوے میں نہیں آؤں گی۔ اس کے تماشوں رنگینیوں اور لذتوں کی طرف نگاہ اٹھا کر نہیں دیکھوں گی۔ اگر تو کوئی ایسا آدمی پائے۔ جو خود بھی روئے اور مجھے بھی رلائے۔ جو خود بھی روزے رکھے اور مجھے بھی حکم دے جو خود بھی صدقہ دے اور مجھے بھی شوق دلائے تو بسر و چشم مجھے وہ رشتہ منظور ہوگا۔ میں اس کے ساتھ نکاح کر لوں گی۔ مگر مجھے اُمید نہیں کہ تو کوئی ایسا آدمی پا سکے گی۔ پھر مجھے شادی کے لیے کیوں کہہ رہی ہو۔

بہتان

مدینہ منورہ میں ایک نہایت پارسا گوشہ گیر عورت رہتی تھی جب ان کا انتقال ہوا تو ایک پیشہ ور غسالہ کو بلوایا گیا تا کہ میت کو غسل دے سکے کیونکہ مرحومہ کا کوئی قریبی عزیز رشتہ دار موجود

نہ تھا۔ جب غسالہ غسل دے رہی تھی تو قریب کھڑی عورتوں کو بتانے لگی کہ مرحومہ ایک انتہائی بدکار اور گناہگار عورت تھی اس نے اپنی زندگی میں بے شمار گناہ کبیرہ کیے تھے۔ غسالہ خواہ مخواہ مرحومہ پر بہتان لگا کر اسے بدنام کر رہی تھیں حالانکہ وہ انتہائی صالحہ و عابدہ خاتون تھیں ابھی غسالہ نے اپنی بات مکمل بھی نہ کی تھی کہ اس کا ہاتھ میت کے جسم سے چپ کر رہ گیا۔ چند لمحوں تک تو وہ اپنے طور پر ہاتھ چھڑانے کی کوشش میں مصروف رہیں مگر سخت مشقت کے بعد بھی جب اس کا ہاتھ میت سے جدا نہ ہوا تو اس کے اوسان خطا ہو گئے۔ اور اس نے چیخ و پکار شروع کی۔ میت کے گرد قرب و جوار میں سوگواروں نے جب یہ دیکھا تو وہ بھی خوف سے کانپ اٹھے کیونکہ انہوں نے آج تک ایسا خوفناک منظر نہ دیکھا تھا اور نہ کسی سے اس کے بارے میں سنا تھا۔ غسالہ کی حالت دیکھنے کے قابل تھی۔ اس کے چہرے پر موت کی زردی چھائی ہوئی تھی اور یوں معلوم ہو رہا تھا مرحومہ غسالہ کو بھی اپنے ساتھ لے کر جائے گی۔

اس وقت میت کے گھر میں موجود تمام لوگ سرگرداں و پریشاں تھے۔ ان میں سے کسی کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ غسالہ کا ہاتھ کس طرح میت سے چھڑایا جائے آخر فوری طور پر علماء سے رجوع کیا گیا۔ مگر وہ بھی اس انوکھے اور جان لیوا مسئلے کا کوئی حل پیش کرنے سے قاصر رہے۔ صورت حال کافی گمبھیر تھی۔ ایک طرف میت دفنانے میں دیر ہو رہی تھی تو دوسری طرف غسالہ کی جان پر بنی ہوئی تھی۔ کچھ لوگوں نے یہ تجویز پیش کی کہ غسالہ کا ہاتھ کاٹ کر میت سے الگ کر دینا چاہیے۔ یہ تجویز تو غسالہ پر بجلی بن کر گری اور وہ زور زور سے رونے چیخنے چلانے لگی۔ لوگ کسی حتمی فیصلے پر نہیں پہنچ رہے تھے۔ آخر ایک صاحب نے کہا، حضرت امام مالک بن انسؒ سے رجوع کرنا چاہیے کیونکہ امام فقہ کے مسائل چٹکی بجاتے ہی حل کر دیتے ہیں۔ اس لیے فوری طور پر امام مالکؒ سے رجوع کیا گیا۔ وہ کافی دیر تک اس مسئلے پر غور و فکر کرتے رہے اور پھر فرمانے لگے۔

''غسالہ نے مرنے والی عورت پر بہتان لگا کر یقیناً اس کی روح کو بے حد تکلیف پہنچائی ہے اس لیے اللہ تعالیٰ نے اسے یہ سزا دی ہے۔ یہ وہ عذاب ہے جسے قدرت نے اس واقعہ کے

Marfat.com

حوالے سے ظاہر کر دیا ہے۔"

جب غسالہ تک امام صاحب کی بات پہنچائی گئی تو اس نے روتے ہوئے اعتراف جرم کر لیا کہ اس نے مرحومہ پر بدکاری کا جھوٹا الزام لگایا تھا۔ غسالہ کے اعتراف جرم کے بعد امام صاحب نے فرمایا:

بلاشبہ مرنے والی ایک پاکباز خاتون تھی۔ اس نے زندگی بھر کوئی صغیرہ و کبیرہ گناہ کا ارتکاب نہیں کیا تھا۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس دنیا میں مرحومہ کی پاکبازی کو داغدار ہونے سے بچانے کے لیے غسالہ کو یہ سزا دی ہے۔ تاکہ دوسرے اسے دیکھ کر عبرت حاصل کریں۔ پھر فرمایا:

بہتان طرازی ایک شرعی جرم ہے اور اس کی سزا اسّی درے ہیں۔ لہٰذا غسالہ کو سزا کے اسّی درے لگا دیئے جائیں۔ اُمید ہے سزا پانے کے بعد مرحومہ غسالہ کا ہاتھ چھوڑ دے گی۔

چنانچہ امام مالکؒ کے حکم کی تعمیل کی گئی۔ غسالہ کو اسّی دروں کی سزا دی گئی اور جب سزا مکمل ہو گئی تو غسالہ کا ہاتھ خود بخود میت سے صحیح سلامت الگ ہو گیا۔

-☆-

Marfat.com

تاریخ تصوف کے بکھرے اوراق (۲)

فکر فردا

حضرت ابوسعید حسنؒ سے ایک بار لوگوں نے فرمایا کہ یہاں ایک خاتون رہتی ہے۔ جس کا نام بردہ ہے۔ وہ دن رات خوف خدا سے روتی رہتی ہے۔ شب و روز گریہ وزاری کی وجہ سے ان کی بینائی خراب ہو چکی ہے۔ براہ کرم انہیں ذرا نصیحت فرمایئے۔ یہ سن کر حضرت ابوسعید حسنؒ حضرت بردہ کے پاس چلے گئے اور ان سے فرمایا: اے بردہ! تیرے نفس کا تجھ پر حق ہے۔ تیرے بدن کا تجھ پر حق ہے۔ تیری آنکھوں کا تجھ پر حق ہے۔

حضرۃ بردہؒ نے نگاہیں اٹھا کر اسے دیکھا اور فرمایا: اللہ تیرا بھلا کرے۔ مگر میں کیا کروں۔ اگر میں اہل جنت سے ہوں تو اللہ تعالیٰ اس بدن اور آنکھوں کے بدلے ان سے بہتر عطا فرمائے گا اور اگر میں جہنمی ہوں تو یہ بہتر ہے کہ اس دنیا میں میری بصارت ختم ہو۔

زخم جگر

حضرت ذجلۃ عابدہؒ بڑی پارسا تقویٰ دار اور شب و روز عبادت الٰہی میں بسر کرنے والی خاتون تھیں۔ روزوں کی کثرت سے ان کی رنگت بدل چکی تھی۔ جبکہ دن رات گریہ سے ان کی آنکھیں چندھیا گئی تھیں۔ نمازوں میں طویل قیام کی وجہ سے ان کی ٹانگوں میں ورم آ چکے تھے۔ جس کی وجہ سے ان کے پیروں میں کھڑے ہونے کی سکت نہ رہی تو مجبوراً بیٹھ کر نماز پڑھا کرتی تھیں۔ ان کی حالت کا سن کر حضرت عباد بن عباد ابوعتبہ ان کے پاس تشریف لے گئے اور فرمایا: اے ذجلہ عابدہؒ! تیرے نفس کا تجھ پر حق ہے۔ اس کا بھی حق ادا کر۔ اپنے اوپر کچھ نرمی

Marfat.com

کر۔اپنی عبادت وریاضت میں ذرا تخفیف فرمادے۔

حضرۃ ذجلۃ عابدہؒ نے حسرت بھری نگاہوں سے عباد بن عباد ابوعتبہ کو دیکھا اور گلوگیر لہجے میں فرمایا: اے عبادہ! اپنے زخم جگر کو میں جانتی ہوں اپنے نفس اور دردِ دل کا حال بھی مجھ سے پوشیدہ نہیں۔

کاش! خدا مجھے پیدا نہ فرماتا۔ کاش میں جنم نہ لیتی۔ اتنا فرمانے کے بعد انہوں نے قبلہ رخ ہوکر نماز کی نیت باندھ لی اور حضرت عباد بن عباد ابوعتبہ واپس چلے آئے۔

بابرکت دھاگہ

حضرۃ بی بی سارہؒ شیخ نظام الدین ابوالمؤید کی والدہ محترمہ تھیں۔ متقدمین میں ان کا بڑا مقام ہے۔ ایک بار سخت خشک سالی تھی۔ لوگوں نے بار بار نماز استقاء پڑھی۔ گڑگڑا کر دعائیں مانگیں، مگر دعائیں قبول نہ ہوتی تھیں۔ بارش نہ ہونے کی وجہ سے آبادیاں ویران ہونے لگیں اور لوگ ترک سکونت پر مجبور ہوگئے تو آپ کے فرزند شیخ نظام الدین ابوالمؤیدؒ نے آپ کی دامن کا ایک دھاگہ اپنے ہاتھ میں لے کر کہا:

اے خدا! یہ اس بزرگ خاتون کے دامن کا ایک دھاگہ ہے جس پر کبھی کسی نامحرم کی نظر نہیں پڑی۔ اس کے طفیل ہم پر رحم فرما اور بارش برسادے۔

ان کا یہ فرمانا تھا کہ کچھ ہی دیر میں بادل گھر آئے اور خوب برسے اور جل تھل ایک ہو گیا۔

حضرۃ بی بی سارہؒ کا مزار پرانی عیدگاہ کے پہلو میں ہے جس کے نزدیک خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کا مقبرہ ہے۔

مقام ناز

سیدہ عائشہؒ حضرت امام جعفر صادقؒ کی صاحب زادی تھیں۔ آپ ایک عظیم المرتبت عارفہ گزری ہیں۔ آپ کا سن وصال 145 ہجری بتایا جاتا ہے۔ عشق خداوندی میں آپ مقام ناز پر فائز تھیں۔ یہ وہ مقام ہے جہاں عارفان کامل اپنے خالق پر ناز کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ

Marfat.com

ان کی عشق، بندگی اور محبت کے سبب ان کا ناز اٹھاتا ہے۔ آپؒ فرمایا کرتی تھیں۔

اے اللہ! تیری عزت وجلال کی قسم! اگر تو نے مجھے دوزخ میں ڈالا تو میں اپنی توحید کو ہاتھ میں لوں گی اور دوزخیوں کو دکھا کر سناؤں گی کہ میں نے آپ کی وحدانیت کا سچے دل سے اقرار کیا پھر بھی مجھے عذاب دینے کے لیے جہنم بھیج دیا۔

خدا کی رضا

عارفات کامل میں حضرۃ لبابہ سعدیہؒ کو ایک خاص مقام حاصل ہے۔ آپؒ بیت المقدس کی رہنے والی تھیں۔ ایک بار ایک شخص حج پر جانے کے لیے گھر سے روانہ ہوا۔ سفر پر روانگی سے قبل وہ دعا لینے کے لیے آپؒ کی خدمت میں حاضر ہوا اور پوچھا کہ بیت اللہ پہنچ کر میں اپنے لیے کون سی دعا مانگوں؟

حضرت لبابہؒ نے فرمایا: خداوند کریم سے ان کی رضا مانگ تا کہ وہ تجھ سے خوش ہو جائے اور تجھے اپنے پسندیدہ لوگوں میں شامل کر لے۔

آپ اکثر فرمایا کرتی تھیں کہ مجھے خدا سے حیا آتی ہے کہ میں اس کے سوا کسی اور کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھوں۔

خدا کی رضا پر صبر

اولاد کا زندہ نہ رہنا بہت بڑا صدمہ ہے۔ خاص کر اس عورت کے لیے جس کی گود یکے بعد دیگرے بچوں سے خالی ہوتی رہے۔ ایسی خواتین کے بارے میں ارشاد نبویؐ ہے کہ جس عورت کے تین نابالغ بچے مر جائیں اور وہ ان پر صبر کرے ایسی عورت کا ٹھکانہ جنت ہے (مشکوۃ)، حضرت منفوسہ بنت زیدؒ بار بار اس صدمے سے دوچار ہوتی رہی لیکن وہ بہت بڑی صابرہ تھیں جب بھی ان کا بچہ فوت ہوتا وہ اس کو مالک کی رضا سمجھتیں بچے کا سر بہت سکون و اطمینان سے اپنی گود میں لے کر بیٹھ جاتی اور فرماتی:

خدا کی قسم! بے شک تیرا آگے جانا میرے نزدیک بہتر ہے اس سے کہ تو میرے پیچھے

Marfat.com

جائے۔ میرا صبر یقیناً بہتر ہے اس سے کہ میں تجھ پر نوحہ کروں۔ اگر تیری جدائی حسرت ناک ہے تو اس کا اجر بھی بہت بڑا ہے۔

پھر عربی کے مشہور شاعر عمرو بن معدی کربؒ کا یہ شعر پڑھتی:

ہم ایسے لوگ ہیں کہ اپنے مردوں پر نہیں روتے
اگرچہ صدمے سے ہماری کمر ٹوٹ جاتی ہے

اس کے بعد انتہائی صبر اور بردباری سے اپنے بچے کی تجہیز و تکفین میں شرکت فرماتی۔ بچے کو دفنانے کے بعد آپؒ حسب معمول پہلے کی طرح یاد الٰہی میں مصروف ہو جاتی تھیں۔ بڑے بڑے اولیاء کرام آپ کے مقام بلند مرتبے اور حوصلے پر رشک کیا کرتے تھے۔

بخشش کا پروانہ

حضرۃ آمنہ رملیہؒ امام احمد بن حنبلؒ کی ہم عصر تھیں۔ خواتین اولیاء میں آپؒ کا مرتبہ بہت بلند ہے۔ حضرت بشیر بن حارثؒ جیسے صاحب کرامات آپؒ کی خدمت میں حاضری دینا اپنے لیے باعث سعادت سمجھتے تھے۔ ایک دفعہ حضرت بشیر بن حارثؒ ان کی محفل سے مسلسل غیر حاضر رہے تو حاضرین سے انکی غیر حاضری کا سبب دریافت فرمایا تو معلوم ہوا کہ غیر حاضری کا سبب ان کی علالت ہے۔ یہ سن کر آپؒ ان کی عیادت کے لیے تشریف لے گئیں۔ اس وقت امام احمد بن حنبلؒ بھی تشریف لائے ہوئے تھے۔ آپ نے حضرت بشیر بن حارثؒ سے پوچھا کہ یہ محترمہ کون ہیں؟ انہوں نے جواب دیا یہ آمنہ رملیہؒ ہیں۔ یہ میری خوش نصیبی ہے کہ یہ میری عیادت کے لیے آئی ہیں۔

امام احمد بن حنبلؒ نے ان کی بہت شہرت سنی تھی۔ ان کے مقام و مرتبے سے آگاہ تھے۔ ان سے دعا کرانے کی بڑی خواہش ہوئی مگر کہنے کی ہمت نہ پڑی اس لیے بشیر بن حارثؒ سے کہا، ان سے عرض کرو کہ ہمارے لیے دعا کریں۔

بشیر بن حارثؒ نے سفارش آپ تک پہنچائی تو آپ نے ہاتھ اٹھا کر نہایت خشوع و خضوع سے دعا مانگی: اے اللہ! احمد بن حنبلؒ اور بشیر بن حارثؒ آگ سے پناہ مانگتے ہیں۔ تو

Marfat.com

سب سے بڑا رحم کرنے والا ہے۔ ان کو اپنی پناہ دے۔

رات ہوئی امام احمد بن حنبلؒ بیٹھے ہوئے ذکر میں مشغول تھے کہ ایک رقعہ غیب سے آ کر ان کی گود میں گرا۔ آپؒ نے اسے کھول کر دیکھا تو لکھا تھا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قد فعلنا ذلک ولدینا مزید

شروع اللہ کے نام سے جو بخشنے والا اور مہربان ہے۔ ہم نے کر دیا اور ہم زیادہ بھی کر سکتے ہیں یعنی حضرت آمنہ رملیہؒ نے بخشش اور آگ سے پناہ کی جو دعا مانگی تھی وہ قبول ہوئی اور یہ اس نجات اور بخشش کا پروانہ تھا یہ دیکھ کر امام احمد بن حنبلؒ ششدر رہ گئے اور پہلے سے زیادہ ان کے معتقد ہو گئے۔

ولی کی تعریف

ایک بار علماء میں یہ بحث چلی کہ ولی کیسا ہوتا ہے مگر کوئی صاحب علم ایسا تسلی بخش جواب نہ دے سکا جس سے سب کی تشفی ہوتی آخر کار انہوں نے کہا کہ آؤ ''اُمہ الجلیلؒ'' سے چل کر پوچھتے ہیں جو اپنے وقت کی بڑی زاہدہ اور عارفہ تھیں۔ وہ سب چل کر ان کے پاس آئے اور ان سے پوچھا کہ ولی کیسا ہوتا ہے۔ تو آپؒ نے فرمایا:

ولی کی کوئی گھڑی ایسی نہیں ہوتی جس میں خدا کے سوا کوئی اور خیال ان کو گزرے اور اگر کوئی اور خیال ان کے دل میں گزرے تو سمجھو کہ وہ جھوٹا ہے۔

خوف خدا

حضرۃ اُم ہارونؒ ان عارفات میں سے تھیں جس پر ہر وقت خوف خدا کا غلبہ ہوتا تھا۔ آپ ہر وقت یاد الٰہی میں مشغول ہوا کرتی تھیں۔ جب رات کا اندھیرا پھیل جاتا تو آپؒ بہت مسرت محسوس کرتی تھیں اور فرماتی کہ رات کے اندھیرے میں اپنے مولا کی عبادت کرنے میں ایک خاص لطف ہوتا ہے۔ اس لیے ساری رات جاگ کر عبادت میں گزار دیتی تھیں اور جب سپیدہ سحر نمودار ہوتا اور سورج طلوع ہوتا تو آپ رنجیدہ لہجے میں فرماتیں ''ہائے دوری ہو گئی''

Marfat.com

آپؒ ہمیشہ سوکھی روٹی کھایا کرتی تھیں۔تیس برس سے زلفوں میں تیل نہیں ڈالا مگر جب بھی بال کھولتیں تو بال نہایت ملائم اور چمکدار ہوتے تھےایک دفعہ آپ جنگل کی طرف نکل گئیں کہ اچانک ایک شیر سامنے آیا تو آپ نے خوف زدہ ہونے یا گھبرانے کی بجائے با آواز بلند فرمایا:

''اے شیر! اگر میں تیرا رزق ہوں تو لے مجھے کھالے'' یہ سن کر شیر بھیگی بلی بن گیا اور پیٹھ پھیر کر چل دیا۔

چونکہ آپؒ پر ہر وقت خوف خدا کا غلبہ ہوتا اور خدا کی ناراضگی کا خوف دامن گیر رہتا تھا اس لیے دنیا و مافیہا سے بے خبر ہوا کرتی تھیں۔ایک دن اسی عالم میں بے خبر چلی جا رہی تھیں کہ اچانک کسی کی آواز کانوں میں پڑی جو چلا کر کہہ رہا تھا ''اس کو پکڑو'' اس آواز کے ساتھ ہی آپؒ غش کھا کر گر پڑیں۔لوگوں نے اٹھایا اور چہرے پر پانی چھڑکا تو آپؒ ہوش میں آئیں۔ لوگوں نے مزاج پوچھا تو فرمایا: میں نے سمجھا کہ قیامت آگئی ہے اور میرے لیے حکم ہوا کہ اس گنہگار عورت کو پکڑو۔اس لیے خوف زدہ ہو کر گر پڑی تھی۔

بڑی بدنصیبی

حضرۃ عفیرہؒ بصرہ کی رہنے والی تھی۔کچھ وقت حضرۃ معاذہ عدویہؒ کی صحبت میں بھی گزرا تھا۔سارا وقت عبادت، ریاضت میں گزارا کرتی تھیں۔خوف خدا سے اس قدر روتی تھیں کہ آخری عمر میں بینائی زائل ہو گئی تھی کسی نے کہا:

''بڑی اماں! اندھا ہو جانا بڑی بدنصیبی ہے''۔

آپؒ نے فرمایا: چھوٹے میاں! اللہ تعالیٰ سے شرمندہ ہونا اور دل کا اندھا ہو جانا سب سے بڑی بدنصیبی ہے۔خدا کی قسم! میرا دل چاہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ میرا ہر جوڑ لے اور اس کے بدلے اپنی محبت عطا کرے تو اس کو میں اپنی خوش نصیبی سمجھوں گی۔

ایک دفعہ کچھ اللہ والے ان کی زیارت کے لیے آئے اور طالب دعا ہوئے تو آپؒ نے فرمایا: بھائیو! اگر گنہگاروں کی زبانیں خدا بند کر دیتا تو یہ بڑھیا گونگی ہو جاتی مگر خیر دعا مانگنا سنت

Marfat.com

ہے اس لیے اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ جنت کی ہیروں سے تمہاری مہمانی فرمائے۔ میرے اور تمہارے دلوں میں اپنے کرم سے موت کی یاد ڈالے اور مرتے دم تک ایمان سلامت رکھے۔

ایک بار روح بن سلمہ وراقؒ نے پوچھا، ہم نے سنا ہے کہ تو رات بھر سوتی نہیں؟

یہ سن کر رو پڑی اور فرمایا: میں نے بہت مرتبہ چاہا کہ سو جاؤں لیکن میں سو نہ سکی۔ بھلا وہ بندہ کس طرح سو سکتا ہے جس کا محافظ نہ دن کو سوتا ہے نہ رات کو۔

حضرت روح بن سلمہ وراقؒ فرماتے ہیں کہ انہوں نے یہ بات کچھ اس انداز سے کہی کہ خود بھی روئی اور مجھے بھی رلا دیا۔ مجھے دل میں بڑی ندامت ہوئی کیونکہ میرا خیال کچھ اور تھا اور اس کا خیال کچھ اور تھا۔

بنت شیخ ابوالعباس

حضرت شیخ ابوالعباسؒ مشہور صوفی بزرگ گزرے ہیں۔ ان کی ایک بیٹی تھی جو اپنے والد کی طرح بہت پارسا عبادت گزار اور یگانہ تھی۔ اللہ کی محبت میں اپنے والد کی طرح سرشار تھی۔ بڑے بڑے لوگوں نے اس کا رشتہ مانگا مگر آپ نے یہ کہہ کر سب کو خاموش کر دیا کہ اس کا رشتہ کوئی طلب نہ کرے کیونکہ جب یہ پیدا ہوئی تو اسی وقت حق سبحانہ نے مجھے اس کے خاوند کی اطلاع دی تھی اور اب میں اس کی آمد کا منتظر ہوں۔

کچھ عرصہ کے بعد شیخ صفی الدینؒ ان کے مرید بنے۔ یہ ایک بہت بڑی خبر تھی کیونکہ شیخ صفی الدینؒ ایک بہت بڑا رئیس زادہ تھا۔ ان کا باپ ملک اشرف خلیفہ کا مقرب خاص تھا۔ جو بھی یہ سنتا کہ ایک بہت بڑے رئیس زادے نے سب کچھ چھوڑ کر ایک فقیر کے ہاتھ پر بیعت کی ہے۔ تو حیران رہ جاتا تھا۔ بیعت کے بعد شیخ ابوالعباسؒ نے شیخ صفی الدینؒ کے ذمہ یہ ڈیوٹی لگائی کہ وہ ان کے گھر کا پانی بھرا کرے۔ صفی الدّین ہنسی خوشی یہ فریضہ سرانجام دینے لگا اور ننگے پیر چل کر اپنے شیخ کے گھر کا پانی بھرتا تھا۔ اس سلسلے میں انہوں نے لوگوں کی چہ میگوئیوں کی کوئی پرواہ نہ کی اور ثابت قدمی سے شیخ ابوالعباسؒ کی نگرانی میں راہ سلوک کی منزلیں طے کرنے لگا۔

جب وہ منزل طے کر چکا تو اس وقت ان کے والد فوت ہو چکے تھے۔ مال و دولت سب کچھ قصہ

Marfat.com

پارینہ بن چکا تھا۔ کہ ایک رات انہوں نے اپنے شیخ کو خواب میں دیکھا جوان سے فرما رہا تھا کہ اے صفی الدینؒ میں نے اپنی لڑکی کا نکاح تجھ سے کر دیا ہے۔ یہ خواب دیکھنے کے بعد وہ کافی حیران و پریشان تھا۔ صبح شیخ ابو العباسؒ سے ان کی قلبی کیفیت چھپی نہ رہ سکی۔ پوچھنے پر شیخ صفی الدینؒ نے مجبوراً جھجکتے ہوئے اپنا پورا خواب سنایا۔ خواب سننے کے بعد شیخ ابو العباسؒ نے فرمایا: بیٹے! اس لڑکی کا نکاح تو ازل سے تمہارے ساتھ ہو چکا تھا۔ بس رخصتی کا اشارہ باقی تھا اور وہ ہو چکا ہے۔ آپ نے اسی دن اپنی بیٹی کا نکاح ان سے پڑھوا دیا۔

شیخ صفی الدینؒ کے اس زوجہ کا شمار بڑے بڑے اولیاء کرام میں ہوتا تھا۔ نور کا ایک ہالہ ہر وقت اس کے چہرے کا احاطہ کیے نظر آتا تھا۔ ان کے صلب ست کئی بچوں نے جنم لیا جو کہ سب کے سب فقہا و فقرا بنے اور مخلوق خدا کے لیے مشعل راہ ثابت ہوئے۔

زوجہ رباح قیسیؒ

عارفات میں زوجہ رباع قیسیؒ کا ایک منفرد مقام ہے۔ آپ نے جس قدر یکسوئی اور دلجمعی سے اللہ تعالیٰ کی عبادت کی ہے اس کی نظیر مشکل ہے۔ آپ کی یہ عادت مبارکہ تھی کہ نماز عشاء کے بعد خوبصورت لباس پہن لیتی حسب ضرورت و استطاعت بناؤ سنگار کر لیتی اور پھر اپنے شوہر سے پوچھ لیتی کہ کچھ خواہش ہے کیونکہ وہ رسول اکرمؐ کی اس حدیث کی علمی تفسیر تھی جس میں فرمایا گیا ہے کہ عورتوں میں سے اچھی عورت وہ ہے جو اپنے خاوند کو خوش رکھتی ہو اس کا کہا مانتی ہو اور اس کو رنج پہنچانے سے احتراز کرنے والی ہو۔ (بیہقی)

اگر شوہر نفی میں جواب دیتے تو اسی وقت وہ کپڑے تبدیل کر کے سادہ لباس پہن لیتی اور نفل کے لیے مصلیٰ بچھا دیتی اور رات بھر نفل پڑھتی۔ جب رات کا ایک پہر گزر جاتا تو اپنے شوہر کو ہلا کر جگا دیتی: اللہ کے بندے اٹھو! اللہ کو یاد کرو، لیکن اگر وہ پھر بھی نیند کے غلبے سے نہ اٹھتا تو پھر آخر شب میں جگا کر کہتی: اے رباح! اٹھو، رات گزری اور تم سوتے رہے۔

آپ عموماً زمین سے تنکا اٹھا کر کہتی! خدا کی قسم! دنیا کی قدر و قیمت میری نظروں میں اس تنکے سے بھی کم ہے۔

Marfat.com

رفیق جنت

حضرت عبدالواحد بن زیدؒ مشہور اولیاء کرام میں گزرے ہیں۔ ایک بار انہوں نے دعا مانگی: اے خدا! بہشت میں میرا جو رفیق ہوگا وہ مجھے دکھا دیجئے۔ ان کی دعا قبول ہوئی اور بتا دیا گیا کہ جنت میں تیری رفیق میمونہ سوداؒ ہے۔ آپؒ نے پوچھا وہ کہاں رہتی ہے۔ جواب ملا کوفہ میں۔ آپ کوفہ پہنچے اور لوگوں سے میمونہؒ کا پتہ پوچھا۔ لوگوں کو بڑی حیرت ہوئی اور کہا گیا کہ وہ تو ایک دیوانی عورت ہے جو بکریاں چراتی ہیں اس وقت جنگل میں ہوگی۔ آپ پوچھتے پوچھتے جنگل پہنچ گئے۔ دیکھا تو وہ نماز پڑھ رہی ہے اور بھیڑیئے ریوڑ کی رکھوالی کر رہے ہیں۔ آپ حیرت زدہ ریوڑ کو دیکھ رہے تھے کہ انہوں نے سلام پھیرا اور فرمایا: اے عبدالواحد! اب جاؤ، ملنے کا وعدہ بہشت میں ہے۔ یہ سن کر آپ کو اور بھی تعجب ہوا تو اس نے کہا: اس متعجب ہونے کی کونسی بات ہے۔ جن روحوں میں جان پہچان ہو چکی ہے۔ ان میں محبت والفت تو ہوتی ہے۔

آپؒ نے پوچھا: میں بھیڑیوں کو ریوڑ کی رکھوالی کرتا ہوا دیکھ رہا ہوں۔ یہ کیا اسرار ہے۔

حضرت میمونہؒ نے پیچھا چھڑاتے ہوئے کہا: جاؤ! اپنا کام کرو۔ جو لوگ اپنا معاملہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ استوار کر لیتے ہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ ان کی بکریوں کا معاملہ بھیڑیوں کے ساتھ بھی درست کر لیتا ہے۔

-☆-

Marfat.com

تاریخ تصوف کے بکھرے اوراق (۳)

شب قدر کی تلاش

حضرت ابو عبداللہ بن حنیف شیرازیؒ بہت بڑے مشہور ولی گزرے ہیں۔ ان کی تاریخ وفات عموماً 331 ہجری بتائی جاتی ہے۔ ان کا اصل نام محمد تھا۔ والد کا نام حنیف بن اسفکشار ضبی تھا۔ جبکہ آپؒ کی والدہ تاریخ تصوف میں اُم محمد کے نام سے مشہور ہیں۔ اپنے وقت کے عابدات اور فرمانبرداروں میں ان کا بہت بڑا رتبہ ہے۔ آپؒ نے اپنے بیٹے کے ہمراہ سمندر کے راستہ حجاز کو گئیں اور فریضہ حج ادا کیا۔ آپ کی مکاشفات، مجاہدات کے بہت واقعات مشہور ہیں۔ آپؒ رمضان المبارک کے آخری عشرہ میں رات بھر عبادت کرتیں اور یہ شب جاگ کر گزارہ کرتی تھیں۔ ایک دفعہ آپؒ کے بیٹے ابو عبداللہؒ نے رمضان کا آخری عشرہ چھت پر بیٹھ کر گزارنے کا فیصلہ کیا تاکہ شب قدر کو پالیں جبکہ آپؒ حسب معمول مکان کے اندر ایک کونے میں بیٹھ کر عبادت کر رہی تھیں۔ آپؒ ذکر واذکار میں مشغول تھیں کہ شب قدر کے انوار آپؒ پر ظاہر ہونے لگے تو آپ نے اپنے بیٹے کو آواز دی: اے محمد! اے فرزند! جو کچھ تم باہر مکان کی چھت پر طلب کرتے ہو۔ وہ یہاں مکان کے اندر کونے میں موجود ہے۔ ابو عبداللہؒ نیچے اترے اور شب قدر کی انوار کو دیکھا تو اپنی والدہ کی عظمت ان پر کھل گئی۔ فوراً ان کے قدموں میں گر گئے۔

اس کے بعد شیخ ابو عبداللہؒ ہمیشہ کہا کرتے تھے کہ اس وقت کے بعد میں نے والدہ کی قدر جانی کہ وہ کتنی عظیم المرتبت خاتون ہیں۔

Marfat.com

رضائے الٰہی کا نسخہ

اُم حسانؒ کوفہ کی رہنے والی تھیں۔ بے حد عابدہ اور بڑی زاہدہ تھیں۔ عارفات کامل میں ان کا شمار ہوتا تھا۔ ایک بار حضرت سفیان ثوریؒ ان کی خدمت میں حاضر ہوئے تو دیکھا کہ گھر میں ایک پرانے بوریئے کے سوا کچھ نہیں، اُم حسانؒ کے چچازاد بھائی اور دیگر اہل قبیلہ بڑے آسودہ حال تھے اور بڑی پرآسائش زندگی گزار رہے تھے۔ مگر آپ ان سب سے الگ تھلگ نہایت فقیرانہ انداز میں اپنا وقت گزارتی تھیں۔ سفیان ثوریؒ سے ان کی حالت نہ دیکھی گئی اور کہا: اگر تمہارے عزیزوں کو تمہاری حالت سے باخبر کیا جائے تو مجھے یقین ہے وہ آپ کی بھرپور مالی مدد کریں گے۔

یہ سن کر آپ نے فرمایا: افسوس ہے تجھ پر سفیان تو نے کتنی گھٹیا بات کہی۔ آپ نے میرے دل کو بہت رنج پہنچایا۔ آپ نے بھی دنیا کو اتنی اہمیت دی۔ میرے دل میں آپ کو جو مقام تھا وہ نہ رہا۔ ذرا خیال تو کریں۔ جو دنیا کی ہر چیز کا مالک ہے، میں نے کبھی ان سے دنیا کی طلب نہیں کی پھر بھلا میں نے ان لوگوں سے کیسے سوال کر سکتی ہوں جو خود صاحب احتیاج ہیں۔ خدا کی قسم مجھے ایک لمحے کے لیے یہ منظور نہیں کہ خدا کے سوا کسی اور طرف دھیان دوں اور تو دنیاوی چیزوں کی بات کر رہا ہے۔

آپؒ نے یہ باتیں ایسی پرسوز انداز میں کہیں کہ سفیان ثوریؒ بے اختیار رو پڑے اور فرمایا: اُم حسانؒ تو واقعی خدا کی خاص بندی ہے۔

پھر فرمایا: اے سفیان ثوریؒ مجھے خدا کی قسم! تیرا ایسے وقت میں آنا پسند نہیں جب میں اللہ کی عبادت میں مشغول ہوں۔

ایک بار سفیان ثوریؒ ملنے آئے تو آپ کے چہرے پر فاقہ کے آثار دیکھ کر کہا، اے اُم حسان! تو موسیٰؑ اور حضرت خضر علیہ السلام سے زیادہ مرتبے والی نہیں۔ جب وہ بستی میں داخل ہوئے تو انہوں نے بستی والوں سے کھانا طلب کیا تھا۔

اس پر آپ نے سفیان ثوریؒ سے فرمایا: الحمد اللہ کہو

انہوں نے الحمد اللہ کہا تو پوچھا کیا تو نے شکر کا اعتراف کرلیا؟

سفیان ثوریؒ نے ہاں میں جواب دیا تو فرمایا: سفیان! شکر کی معرفت کی وجہ سے ایک اور شکر لازم ہو گیا اور دو شکروں کی معرفت کی وجہ سے شکر لازم کی شکر کبھی ختم نہ ہونا چاہیے۔

سفیان ثوریؒ فرماتے ہیں کہ یہ سن کر میرا علم خدا کی قسم ختم ہو گیا اور میری زبان خشک ہو گئی اب میں ان کے گھر سے نکلنے کا ارادہ کر رہا تھا کہ انہوں نے فرمایا: اے سفیان مرد کی جہالت سے نفرت کے لیے یہ کافی ہے کہ اس کو علم سے محبت ہو اور علم کے لیے اتنی بات کافی ہے کہ بندہ اللہ سے ڈرے۔

اے سفیان! یہ بات جان لے کہ دل اس وقت تک صاف نہیں ہوتا۔ یہاں تک کہ تمام غم ایک ہی غم میں مدغم ہو جائیں اور وہ غم ہے رضائے الٰہی کا خوف۔

بعض تذکرہ نگاروں نے لکھا ہے کہ آپ نے سفیان ثوریؒ کے ساتھ بعد میں شادی کر لی تھی مگر اس کے بارے میں یقین سے کچھ نہیں کہا جا سکتا۔

پرلطف عبادت

حضرۃ حفصہ بنت سیرینؒ مشہور عارفات کاملہ میں سے تھیں۔ تلاوت قرآن پاک سے خصوصی شغف تھا۔ ہر رات نصف قرآن مجید پڑھا کرتی تھیں۔ دو راتوں میں ایک ختم قرآن آپ کا معمول تھا۔ جبکہ دن کو روزانہ روزہ رکھتی تھیں۔ آپ روزے کی فضیلت کے بارے میں فرماتی تھیں کہ روزہ ایک ایسی عبادت ہے جس میں بستر پر سونا بھی عبادت میں شامل ہے۔ پھر میں اسے کیوں نہ رکھوں تا کہ جاگنے کے ساتھ ساتھ میری نیند بھی شامل عبادت رہے۔ اس لیے یہ بڑی پرلطف عبادت ہے۔

آپ کی کئی کرامات مشہور ہیں۔ خاص کر آپ کی یہ کرامت تو بہت مشہور ہے کہ آپ عبادت اور تلاوت کے لیے رات کو اٹھ چراغ جلاتیں بعض اوقات ہوا کے جھونکے سے یا تیل بتی ختم ہونے پر چراغ بجھ جاتا تھا مگر آپ کا گھر صبح تک بغیر چراغ جلے روشن رہتا تھا۔ آپ کا بھائی محمد بن سیرینؒ بھی بڑے صاحب مرتبہ اور اللہ والے بزرگ تھے۔

Marfat.com

''فاتحہ الکتاب''

تاریخ تصوف میں حضرۃ فاطمہ بنت المثنیٰؒ بہت بڑی ولیہ گزری ہیں۔ بڑے بڑے بزرگوں نے آپ سے کسب فیض کیا ہے۔ جن میں شیخ محی الدین ابن عربیؒ کا نام بہت مشہور ہے جو برسوں آپ کی خدمت میں حاضری دیتے رہے۔ انہوں نے آپ کی ذکر واذکار اور عبادت الٰہی میں دن رات مگن رہنے کا خصوصی طور پر ذکر کیا ہے اور اسی کثرت عبادت کا نور آپؒ کے چہرے سے یوں عیاں تھا کہ انتہائی بڑھاپے میں جب آپ کی عمر سو برس کے قریب تھی مگر آپ کے چہرے پر اس قدر تازگی اور شگفتگی تھی کہ آپؒ نوعمر دوشیزہ معلوم ہوتی تھیں۔ اس لیے ابن عربی کہتے ہیں کہ اس ضعیف العمری کے باوجود مجھے آپ کے چہرے کی طرف دیکھتے ہوئے حیا آتی تھی۔

ایک دن ایک عورت آپؒ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا کہ میرا شوہر پردیس میں ہے اور وہاں دوسری شادی کے چکر میں پڑ گیا ہے۔ آپؒ دعا کریں کہ وہ دوسری شادی سے باز رہے اور لوٹ کر گھر واپس آئے۔

ابن عربی فرماتے ہیں کہ یہ سن کر آپؒ نے فرمایا: بہت اچھا۔ میں ابھی ''فاتحہ الکتاب'' بھیجتی ہوں اور اس کو تاکید کرتی ہوں کہ وہ تیرے شوہر کو پکڑ کر لے آئے۔ یہ کہہ کر آپؒ نے ''الحمد'' شروع کی۔ میں بھی ساتھ دینے لگا تو مجھے یوں محسوس ہوا جیسے ''فاتحہ'' کی قرات نے مجسم شکل اختیار کی ہو اور سامنے آیا ہو۔ آپؒ نے فرمایا: اے فاتحہ الکتاب! فلاں شہر جانا اور اس عورت کے شوہر کو اس کے پاس لائے بغیر نہ چھوڑنا''۔

اس کے چند روز بعد اس عورت کا شوہر بغیر دوسری شادی کیے واپس آیا اور اس کے آنے میں اتنا عرصہ لگا جتنا اس مسافت کو ایک طرف سے طے کرنے میں لگتا تھا۔

حضرۃ اُم علی کا زہد

حضرت ابو حامد احمد بن خضرویہ بلخیؒ خراسان کے ممتاز اولیاء کرامؒ میں سے تھے۔ حضرت ابراہیم ادہمؒ اور حضرت ابو حفصؒ جیسی مبارک ہستیاں ان کی بزرگی کی معترف تھیں۔ آپ نے

Marfat.com

بلخ میں 246 ہجری میں وفات پائی۔ جس طرح آپ صاحب مرتبت تھے اسی طرح آپ کی زوجہ حضرۃ اُم علیؒ بھی اپنی زہد پارسائی اور تقویٰ میں بہت اعلیٰ معام پر فائز تھیں۔

اُم علیؒ کا تعلق بہت صاحب ثروت گھرانے سے تھا۔ بہت ناز ونعم میں پلی تھیں مگر جب راہ فقر میں قدم رکھا تو سب کچھ تج دیا، پلٹ کر دنیا کی طرف نہیں دیکھا اور اپنے شوہر کے ساتھ روکھی سوکھی کھانے لگی اور پھر رفتہ رفتہ مدارج طے کرتی ہوئی یہاں تک پہنچی کہ حضرت بایزید بسطامیؒ کو کہنا پڑا کہ جو شخص تصوف اختیار کرنا چاہے وہ اُم علیؒ سے سیکھے۔

ایک دفعہ آپ نے وعظ فرمایا: اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو دوست رکھتا ہے۔ اس لیے ان پر انعامات کی بارش کرتا ہے لیکن جب مخلوق ان کی طرف متوجہ نہیں ہوتی تو تب ان پر مختلف قسم کے عذاب نازل فرماتا ہے تاکہ ان عذابوں سے بچنے کے لیے مخلوق ان کی طرف رجوع کرے۔ کیونکہ وہ مخلوق کو عزیز رکھتا ہے۔ ایک اور موقع پر فرمایا: حاجت کا پورا نہ ہونے بے عزت ہونے سے بہتر ہے۔

ایک دفعہ بلخ میں ایک عورت آپؒ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور کہا کہ مجھے اپنے قدموں میں جگہ دیجئے۔ میں آپؒ کے ذریعہ خدا کا قرب حاصل کرنا چاہتی ہوں تو آپؒ نے فرمایا: اس کے برعکس تم اللہ تعالیٰ کی خدمت وبندگی کے ذریعہ میرا قرب کیوں نہیں چاہتیں۔

باکمال عورت

بڑے بڑے اولیاء کرام میں سے زیادہ تر کا تعلق خراسان سے رہا ہے۔ ان میں کیا مرد اور کیا خواتین، ان سب نے تاریخ میں ان مٹ نشانات چھوڑے ہیں۔ خراسان کے عارفات کاملہ میں حضرۃ فاطمہ نیشاپوریؒ وہ درخشندہ نام ہے جس نے بڑے بڑے اولیاء کرام کے چشم تصور کو حیرت زدہ کیا۔ کیونکہ اسے معرفت الٰہی میں کمال حاصل تھا۔ آپ طویل عرصہ تک بیت اللہ کی مجاور رہیں۔ کبھی کبھار بیت المقدس کی زیارت کے لیے بھی جایا کرتی تھیں مگر جلد ہی لوٹ آتی تھیں۔ 233 ہجری میں آپ بیت المقدس گئیں وہاں سے عمرے کی نیت سے واپسی کا سفر شروع کیا کہ راستہ میں انتقال فرما گئیں۔

Marfat.com

آپؒ علوم ظاہری و باطنی دونوں سے آراستہ تھیں۔ قرآن کی معنی اور تفسیر میں آپؒ کو جو ملکہ حاصل تھا وہ بہت کم کسی کے نصیب میں آیا ہوگا۔ جب آپ قرآن کی تفسیر فرمایا کرتی تھیں تو بڑے بڑے علماء وفضلاء جد میں آتے تھے۔

ایک بار آپؒ نے حضرت ذوالنون مصریؒ کی خدمت میں کچھ بھیجا مگر انہوں نے اپنی زہد کے سبب اس کو قبول کرنے سے انکار کیا اور فرمایا: میں خواتین کے نذر و تحائف قبول کرنے سے خود کو عاجز پاتا ہوں۔ جس پر آپؒ نے فرمایا: دنیا میں کوئی صوفی اس سے بہتر اور بزرگ نہیں جو سبب کو درمیان میں نہیں دیکھتا۔ مراد یہ تھا کہ جو تحفہ پیش کیا گیا تھا اس کا سبب خدا کی محبت تھی۔ جب ذوالنون مصریؒ کو یہ بات پہنچی تو ان کو آپؒ کی حیثیت اور مقام کا اندازہ ہوا اس کے بعد انہوں نے آپؒ کو اپنا مرشد مانا۔

حضرت بایزید بسطامیؒ فرماتے ہیں کہ میں نے ساری زندگی میں ایک باکمال عورت دیکھی ہے اور وہ فاطمہ نیشاپوریؒ ہے۔ میں نے جس مقام اور راز کے متعلق ان سے گفتگو کی ان کو اس سے پہلے آگاہ پایا۔

حضرۃ شعوانہؒ کا خوف خدا

حضرۃ شعوانہؒ کا وطن مالوف ایران تھا اور ''ابلہ'' میں مقیم تھیں۔ عبادت، ریاضت، ذکر و اذکار اور وعظ میں آپؒ کا ثانی نہ تھا۔ آپؒ کی خوش الحانی لوگوں پر سحر کی مانند اثر دکھاتی تھی۔ اس لیے بڑے بڑے علماء وفضلاء اور اللہ والے آپ کی محفل کو رونق بخشتے تھے۔ آپؒ بڑی رقیق القلب تھی۔ خود بھی روتی اور جب وعظ فرمانے لگتیں تو سامعین کو بھی اشکبار کیا کرتی تھیں۔ آپ کا قول ہے کہ خدا کی محبت کا پیاسا ہمیشہ تشنہ لب رہتا ہے۔ آپ فرماتی ہیں: جو آنکھ محبوب کی دیدار سے محروم ہو، اس کا روتے رہنا ہی بہتر ہے۔ مگر جو خود نہیں رو سکتا اس کو رونے والوں پر رحم کھانا چاہیے کیونکہ رونے والا اپنی بدنصیبی اور گناہوں کو دیکھ کر روتا ہے۔

آپؒ پر اکثر خوف کا غلبہ رہتا تھا۔ اس لیے بہت زیادہ رویا کرتی تھیں۔ لوگوں نے کہا ''خدا کے لیے اتنا نہ رویا کرو'' تو فرمایا: کاش خوف خدا سے روتے روتے میں اندھی ہو جاؤں۔

Marfat.com

کیونکہ عذاب جہنم سے اندھا ہونا بہتر ہے۔ میں چاہتی ہوں کہ اتنا روؤں کہ آنسو خشک ہو جائیں، پھر خون کے آنسو روؤں یہاں تک کہ جسم میں قطرہ خون بھی باقی نہ رہے۔

کثرت گریہ وخوف نے آپؒ کو اس قدر بے حال کیا کہ نماز اور دیگر عبادات بھی چھوٹ گئے تو خواب میں دیکھا کہ کوئی فرما رہا ہے۔ بے شک اپنی آنسو بہا۔ جب بہت دل گرفتہ ہو تو بے شک رونے سے دل ہلکا ہوتا ہے لیکن عبادت کی کوشش کر۔ روزہ رکھو کیونکہ سوز وگداز کے ساتھ پگھلنا صرف فرمانبرداروں کا کام ہے۔ اس خواب کے بعد آپؒ نے صوم وصلوٰۃ پر بھرپور توجہ مرکوز کی۔

ایک رات آپؒ کی خادمہ کبرویہ حفصہ کو نیند آئی تو آپؒ نے اسے ٹھوکا دے کر کہا: اٹھ کبرویہ! یہ سونے کی جگہ نہیں خواب کی جگہ قبر ہے۔ حضرۃ شعوانہؒ کی صحبت بابرکت کا فیض تھا کہ بعد میں یہی خادمہ ولیہ بنی اور ان کا شمار عارفات کاملہ میں ہوا۔

آخری عمر میں حضرۃ شعوانہؒ کافی ضعیف ہوگئی تھیں کہ ایک دن حضرت فضیل عیاضؒ ان کی خدمت میں حاضر ہوئے اور دعا کے لیے التماس کی تو آپؒ نے رقت بھرے لہجے میں فرمایا:

اے فضیل! تمہارے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان کوئی ایسا واسطہ ہے کہ اگر میں دعا مانگوں تو قبول ہو جائے۔ اگر کوئی ایسا تعلق ہو تو بتا دو جو دعا کی قبولیت کا سبب بن جائے۔

ان کے رقت بھرے لہجے اور سوز کی تاثیر سے فضیل عیاضؒ پگھل گئے اور چیخ مار کر بے ہوش ہو گئے۔

اطاعت الٰہی کا ثمر

تاریخ تصوف میں بہت سی ایسی ہستیاں گزری ہیں جن میں میاں بیوی دونوں صاحب ولایت ہوں، ان اولیاء کرام میں احمد بن ابی الحواریؒ اور ان کی زوجہ رابعہ شامیہؒ کے اسمائے گرامی بھی شامل ہیں۔ ان کا بیٹا عبداللہ بھی بڑا زاہد تھا بلکہ ان کا سسر حضرت میمونؒ بھی پرہیزگاروں اور عارفوں میں شامل تھا۔ یعنی پورا گھرانہ ہمہ خانہ آفتاب کے مصداق تھا۔ احمد بن الحواریؒ (م 220 ہجری) اپنی زوجہ رابعہ شامیہؒ کے متعلق فرماتے ہیں کہ ان کا حال بھی عجیب

Marfat.com

تھا۔ کبھی تو ان پر عشق الٰہی کا غلبہ ہوتا تھا اور کبھی ان پر خوف خدا طاری ہوتا تھا۔ غلبہ خوف کے وقت ان کی زبان پر یہ عشقیہ اشعار ہوتے تھے:

وہ ایسا محبوب ہے
جس کے برابر کوئی محبوب نہیں
اس کے سوا میرے دل میں کسی اور کی چاہ نہیں
وہ حبیب جس کی وجود نظر نہیں آتا
لیکن وہ میرے من میں بستا ہے

وہ اپنے شوہر سے فرماتی میں تجھے اس نظر سے نہیں دیکھتی جس نظر سے ایک بیوی اپنے شوہر کو دیکھتی ہے کیونکہ میرا نفس خواہشات کا تابع نہیں ہے۔

آپؒ عموماً ساری رات جاگ کر عبادت میں گزارتی تھیں اور دن کو باقاعدگی سے روزہ رکھا کرتی تھیں۔ جب اذان کی آواز سنتی تو فرماتی مجھے یوم الحساب کا پکارنے والا فرشتہ یاد آتا ہے۔ جب گرمی دیکھتی تو فرماتی مجھے روز قیامت کی گرمی یاد آتی ہے۔

آپؒ اپنے شوہر کی تمام خدمات خود بجالاتی تھیں۔ جب کھانا تیار کرتی تو اپنے شوہر سے فرماتی: اے میرے مالک تناول فرما مگر تسبیح کے ساتھ، بغیر تسبیح کھانا نہ کھانے کے برابر ہے۔

آپؒ فرمایا کرتی تھیں کہ جب کوئی اللہ تعالیٰ کی عبادت میں لگ جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو اس کے عیبوں سے آگاہ کر دیتا ہے۔ اور جب بندہ اپنے عیبوں سے آگاہ ہوتا ہے تو پھر دوسرے کے عیبوں کو نہیں دیکھتا جو عبادت الٰہی کا ثمر ہوتا ہے۔

ایک دن آپؒ کے سامنے ایک طشت پڑا ہوا تھا۔ آپؒ نے اپنے شوہر سے فرمایا اس کو اٹھائیے۔ انہوں نے طشت کو اٹھا کر دیکھا تو اس پر لکھا ہوا نظر آیا کہ آج امیر المومنین ہارون الرشید فوت ہوا۔ بعد میں معلوم ہوا کہ واقعی ہارون الرشید نے ٹھیک اسی روز انتقال فرمایا تھا۔

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کو غوث اعظم کا سندیسہ دینے والی

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کو غوث اعظم کی نوید سنانے والی ایک گمنام حبشن خاتون تھی۔

Marfat.com

یوں تو حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ میں ولایت کے آثار بچپن سے ظاہر تھے مگر خود آپؒ اس کا ادراک اس وقت ہوا جب آپ کی عمر ستائیس اٹھائیس سال تھی۔ایک بار آپ حج بیت اللہ کے لیے بغداد سے روانہ ہوئے تو ''منارہ ام القرون'' کے مقام پر آپ کی ملاقات شیخ عدیؒ بن مسافر سے ہوئی وہ بھی اس وقت عالم جوانی میں تھے۔ان کو جب معلوم ہوا کہ آپ حج کے لیے جا رہے ہیں تو وہ بھی رفیق سفر ہوا۔راستے میں آپ دونوں کی ملاقات ایک برقع پوش نوعمر حبشن لڑکی سے ہوئی۔جو بہت لاغر و نحیف نظر آ رہی تھی۔اس لڑکی نے شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کی طرف دیکھا اور شکایت آمیز لہجے میں کہنے لگی: آج آپ نے مجھے بہت تھکا دیا۔

وہ کس طرح؟ شیخ عبدالقادر جیلانیؒ نے حیران ہو کر پوچھا۔

اس لڑکی نے کہا: ابھی میں بلاد حبشہ میں تھی۔ مجھے اس وقت مشاہدہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے دل پر تجلی کی ہے۔آپؒ پر اپنے فضل و کرم کی اس طرح بارش کی ہے جو زمانہ حال میں کسی دوسرے پر نہیں کی گئی۔اس لیے۔ بے اختیار میرے دل نے چاہا کہ آپؒ سے ملاقات کروں۔سو ملنے کے لیے چلی آئی۔

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ اور شیخ عدیؒ حیرت سے اس حبشن لڑکی کی گفتگو سنتے رہے پھر اس نے کہا: میرا ارادہ ہے کہ آج دن بھر آپ دونوں صاحبوں کے ہمراہ رہوں، اور آپؒ ہی کے ساتھ روزہ افطار کروں۔

سر آنکھوں پر، دونوں محترم ہستیوں نے بیک زبان فرمایا۔

اس کے بعد حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ اور حضرت شیخ عدیؒ ایک طرف اور حبشن لڑکی دوسری طرف چلی گئی۔ جب افطاری کا وقت آیا تو تینوں ایک مقام پر جمع ہوئے۔حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ اور شیخ عدی بن مسافرؒ اس شش و پنج میں تھے کہ افطاری کا کوئی ساماں نہ تھا جبکہ وہ حبشن لڑکی نہایت اطمینان سے بیٹھی ہوئی تھی۔ ابھی وہ دونوں افطاری کے بارے میں سوچ ہی رہے تھے کہ غیب سے ایک طباق آیا۔اس طباق کو دیکھ کر حبشن لڑکی نے بڑے پر مسرت لہجے میں کہا: اللہ تعالیٰ کا ہزار شکر ہے کہ اس نے میرے مہمانوں کی عزت کی۔ کیونکہ ہر رات میرے

Marfat.com

لیے دو روٹیاں آتی ہیں لیکن آج چھ روٹیاں بھیجی گئی ہیں۔

تینوں بزرگوں نے دو دو روٹیاں کھائیں اس کے بعد پانی کے کوزے بھی غیب سے آئے۔ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کا بیان ہے کہ وہ پانی اپنی حلاوت اور لذت میں دنیا کے پانی سے بہت مختلف اور منفرد تھا۔ اس کے بعد وہ رخصت ہو کر چلی گئی۔

کچھ عرصہ بعد ایک دن شیخ عبدالقادر جیلانیؒ اور شیخ عدیؒ خانہ کعبہ کا طواف کر رہے تھے کہ شیخ عدیؒ کے دل پر انوار کی بارش ہوئی اور وہ انوار کی تاب نہ لا کر بے ہوش ہو گئے۔ لوگوں نے سمجھا کہ انتقال فرما گئے ہیں کہ اچانک شیخ عبدالقادر جیلانیؒ نے اس حبشن لڑکی کو دوبارہ دیکھا۔ وہ شیخ عدیؒ کے پاس آئی اور فرمانے لگی: تمہیں وہی زندہ کرے گا جس نے تمہیں مار ڈالا ہے۔ وہ ذات کہ جس کی تجلی کے سامنے کوئی شے باقی نہیں رہ سکتی۔ جب تک کہ وہ خود اسے نہ رکھنا چاہے۔ پھر پلٹ کر شیخ عبدالقادرؒ سے مخاطب ہوئی۔

اے نوجواں! میں نہیں جانتی کہ آئندہ تیرا مرتبہ کیا ہوگا؟ لیکن اس وقت میری آنکھیں بس اتنا دیکھ رہی ہیں کہ تیرے چاروں طرف ایک نورانی خیمہ ہے اور آسمان تک تجھے فرشتوں نے گھیر کر رکھا ہے۔ جملہ اولیاء کی نگاہیں اپنے اپنے مقامات پر تیری طرف لگی ہوئی ہیں اور سب کی خواہش ہے کہ تیری ذات سے انہیں فیض حاصل ہو۔

یہ کہہ کر وہ حبشن لڑکی چلی گئی۔ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ نے اس کو پھر دوبارہ نہیں دیکھا لیکن وہ یہ سندیسہ دے کر گئی کہ ویرانوں بیابانوں اور خرابوں میں زیست بسر کرنے والا فاقہ کش نوجوان اپنے وقت کا غوث ہے۔

-☆-

Marfat.com

کتابیات

قرآن مجید (تراجم وتفسیر)

۱۔ الکتاب، ڈاکٹر محمد عثمانؒ، قرآن فاؤنڈیشن، لاہور (ص 2004ء)

۲۔ تفہیم القرآن، مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ، ادارہ ترجمان القرآن، لاہور

کتب احادیث

۳۔ صحیح بخاری، ترجمہ وتشریح، مولانا ظہور الباری اعظمی، مکتبہ مدینہ، لاہور

۴۔ صحیح مسلم مع شرح نوویؒ (مختصر) مترجم، علامہ وحید الزمان، حذیفہ اکیڈمی، لاہور

۵۔ جامع ترمذی، مترجم: مولانا بدیع الزمان، نعمانی کتب خانہ، لاہور، 1988ء

۶۔ مشکوٰۃ شریف (مترجم) شائع کردہ: محمد سعید اینڈ سنز، تاجران کتب قرآن منزل۔ کراچی

۷۔ مظاہر حق جدید، ترتیب جدید: مولانا عبداللہ جاوید غازی پوری، دارالاشاعت، کراچی، 1994ء

کتب سیرت النبویؐ

۸۔ رسول اکرمؐ اور رمضان المبارک، شیریں زادہ خدوخیل، الفیصل ناشران وتاجران کتب، لاہور، 2007ء

۹۔ سیرۃ النبیؐ (مکمل) شبلی نعمانیؒ / سید سلیمان ندویؒ، سروس بک کلب، اسلام آباد

تذکرے اور دیگر کتب

۱۰۔ اخبار الاخیار، شیخ عبدالحق، مولانا اقبال الدین احمد (مترجم)، دارالاشاعت،

Marfat.com

کراچی، 1997ء

۱۱۔ اللہ کے سفیر، خان آصف، اعتماد پبلشنگ ہاؤس، نئی دہلی (بھارت)

۱۲۔ اولیائے ملتان، بشیر حسین ناظم، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، 1985ء

۱۳۔ بابا فرید گنج شکرؒ، ادارہ تصنیف و تالیف، فیروز سنز، لاہور، 1975ء

۱۴۔ پردہ، سید ابوالاعلیٰ مودودی، اسلامک پبلی کیشنز، لاہور، 1988ء

۱۵۔ تاریخ اسلام کی خواتین، احمد خلیل جمعہ، مولانا محمد اسماعیل (مترجم)، دارالاشاعت، کراچی، 2001ء

۱۶۔ تاریخ اسلام کی نامور خواتین، مولانا عبدالقیوم حقانی، نگارشات، لاہور 2002ء

۱۷۔ تذکرۃ الاولیاء، شیخ فریدالدین عطارؒ، مبارک علی قادری (مترجم)، شبیر برادرز، اردو بازار، لاہور 1998ء

۱۸۔ تذکرہ اولیائے پاک و ہند، مولانا مفتی ولی حسن صاحب ٹونکی، ادارہ اشاعت اسلامیات، لاہور 1999ء

۱۹۔ تذکرہ تابعین، عبدالرحمٰن رافت پاشا، ارشاد الرحمٰن (مترجم)، منشورات، منصورہ، لاہور 2002ء

۲۰۔ حضرت نظام الدین اولیاء، پروفیسر محمد حبیب، بک ہوم، لاہور 2004ء

۲۱۔ خواتین اسلام کا مثالی کردار، نذیر محمد مکتبی، مولانا حبیب اللہ (مترجم)، دارالاشاعت، کراچی، 1999ء

۲۲۔ دبستان صوفیا، ڈاکٹر ظہور الحسن شارب، الفیصل ناشران و تاجران کتب، لاہور، 1999ء

۲۳۔ سیر الاولیاء، امیر خورد، اعجاز الحق قدوسی (مترجم)، اردو سائنس بورڈ، لاہور، طبع چہارم، 1996ء

۲۴۔ سیرت داتا گنج بخشؒ، ارتضٰی شاہ، عظیم اینڈ سنز، پبلشرز، لاہور

Marfat.com

۲۵۔سیرت غوث پاک، ارتضٰی شاہ، عظیم اینڈ سنز، پبلشرز، لاہور
۲۶۔شمس العارفین، حضرت سلطان باہو، ابولطیب محمد شریف نوری نقشبندی، پروگریسو بکس، لاہور1994ء
۲۷۔علماء اور کسب حلال، مولانا اطہر مبارک پوری، القلم، فرخان ٹیرس، ناظم آباد، کراچی2006ء
۲۸۔فوائدالفواد، امیر حسن سنجریؒ (مرتب)، الفیصل ناشران وتاجران کتب، لاہور
۲۹۔کرامات اولیاء، شیریں زادہ خدوخیل، تخلیقات، لاہور، 2004ء
۳۰۔کشف المحجوب، داتا گنج بخشؒ، مولانا الحاج کپتان واحد بخش سیال (ترجمہ وتشریح) الفیصل ناشران وتاجران کتب، لاہور، جنوری1999ء
۳۱۔مراۃ الاولیاء، محمد شعیب تورڈھیری، مولانا ولی النبی (مترجم) ناشر: صاحب زادہ عبدالعزیز حسن، تورڈھیر، ضلع صوابی، صوبہ سرحد، 2002ء
۳۲۔مسلمان بیوی، مولانا محمد ادریس انصاری، دارالاشاعت، کراچی1994ء
۳۳۔مسلمان خاوند، مولانا محمد ادریس انصاری، دارالاشاعت، کراچی
۳۴۔نزہۃ البساتین (کامل) المعروف روض الریاحین، ابی محمد عبداللہ ابن اسعد یمنی یافعیؒ، مولان جعفر علی نگینویؒ (مترجم)، ایچ، ایم، سعید اینڈ کمپنی، ادب منزل، پاکستان چوک، کراچی
۳۵۔نفحات الانس، مولانا نورالدین محمد عبدالرحمٰن جامی، مولانا حافظ سید احمد علی چشتی نظامی (مترجم)، دوست ایسوسی ایٹس، ناشران وتاجران کتب، لاہور2003ء

انسائیکلوپیڈیا

۳۶۔شاہکار اسلامی انسائیکلوپیڈیا، سید قاسم محمود (مدیر) الفیصل ناشران وتاجران کتب، لاہور (دوسرا ایڈیشن)
۳۷۔فیروزسنز اردو انسائیکلوپیڈیا، فیروزسنز، لاہور (تیسرا ایڈیشن)

Marfat.com

رسائل وجرائد

سیارہ ڈائجسٹ (مکمل چار حصے)، مدیرِاعلیٰ، امجد رؤف خان، ریواز گارڈن، لاہور

-☆-

''اظہارِ تشکر''

فراہمیٔ کتب کے لیے جناب ملک نواز احمد اعوان
تبصرہ نگار ''فرائیڈے اسپیشل'' کراچی کا خصوصی شکریہ۔

-☆-

Marfat.com

تذکرہ
خواتین اولیاء

شیریں زادہ خدوخیل

Marfat.com